تعلیمات اسلام کا علمبردار دینی و علمی ماہنامہ
الحق
خسروی صاحب کا مضمون ص ۳۷
اگست ۷۸ء
۶
سرپرست
شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق مدظلہ
دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور، پاکستان

اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لۂ دعوۃ الحق
قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

فون نمبر دار العلوم : ۴ فون نمبر رہائش : ۲

مدیر
سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ ۲۰/- روپے —— فی پرچہ ۲/- روپے
بیرون ملک سالانہ عام ڈاک سے ۳ پونڈ —— ہوائی ڈاک سے ۵ پونڈ

جلد نمبر : ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ
شمارہ نمبر : ۱۰ اگست ۱۹۷۸ء

سمیع الحق استاد دار العلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

قومی اتحاد کی عبوری حکومت

بالآخر قائد قومی اتحاد حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہٗ کی قیادت وسیادت میں پاکستان قومی اتحاد نے مارشل لاء کی موجودہ حکومت میں شمولیت کا فیصلہ کرلیا اور قومی اتحاد کے نامزد افراد نئی کابینہ میں شامل ہو گئے۔ یہ فیصلہ جن حالات میں کیا گیا وہ اپنی نزاکتوں کی بنا پر اتنے ہی طویل غور وفکر اور سنجیدہ مذاکرات کا مستحق تھا جتنا کہ قومی اتحاد کے اولوالعزم قائد جناب مفتی صاحب اور دیگر اکابر کے طرز عمل سے ظاہر ہوا۔ ایک طرف ایک فوجی حکومت سے جمہوریت کی علمبردار جماعتوں کا اشتراک، دوسری طرف ملک کے گھمبیر اور نازک حالات سالمیت کا تقاضا جو قومی زعماء سے ایثار، قربانی اور بروقت طوفانوں میں گھری ہوئی ملک کی کشتی کو ساحل سے نکالنے میں فوج کی مدد کرنے کے متقاضی تھے، بالآخر ملک وملت کے بے لوث اور مخلصانہ جذبات نے قومی اتحاد کو حکومت سے اشتراک عمل پر مجبور کیا، گویا ایسا " ھون البلتیین " سمجھ کر کیا گیا حکومت بھی کسی حد تک سول اور ایک حد تک فوجی ہے۔ اور اشتراک بھی عبوری۔ تاہم اس اشتراک وتعاون نے بھی قومی اتحاد کو ابتلاء و آزمائش کے ایک نازک ترین مقام پر کھڑا کر دیا ہے۔ عامۃ الناس جو حقائق بین کم اور سطحیت پسند زیادہ ہیں حقائق اور واقعات گرد وپیش اور سیاق وسباق کو دیکھ کر بہت کم ہی لوگ رائے قائم کرتے ہیں اس لئے اس وقت قومی اتحاد دو دھاری تلوار کے نیچے ہے، لوگ بہت جلد کچھ خوشگوار تبدیلیاں دیکھنا چاہیں گے۔ انہیں اسلام اور اسلامی نفاذ کے بارہ میں صرف وعظ وتبلیغ اور عہد وپیمان سے نہیں عملی اجراء وتنفیذ اور عملی پیش رفت سے دلچسپی ہوگی ملک کا معاشی اور اقتصادی بحران جو عوام کی بے چینیوں کا ایک بنیادی اور اہم سبب ہے اس پر کسی حد تک قابو پانا ہوگا۔ اور پھر انتخابات کی راہ پر بھی ملک کو ڈالنا ہوگا۔ یہ سب ایسے حالات اور مسائل ہیں جس کی بنا پر بقول قائد جمعیۃ العلماء اسلام وصدر قومی اتحاد مولانا مفتی صاحب، مبارکباد کی نہیں دعاؤں کی ضرورت ہے، کہ حق تعالیٰ قومی اتحاد کے تعاون سے قائم ہونے والی نئی حکومت کو ملک وملت کی بہترین خدمت ملک کے استحکام، اسلام کے نفاذ واجراء اور خرابیوں کی اصلاح کی غیبی اور خاص توفیق دے، ان پاکیزہ اور مقدس شہداء کے صدقے جنہوں نے خیر وفلاح اور شریعت وشرافت کے قیام کی امید پر قومی اتحاد کی تحریک میں اپنی جانیں قربان کیں۔ حق تعالےٰ ان نفوس قدسیہ کے طفیل ان کی قربانیوں اور جانسپاریوں کو قومی اتحاد کی موجودہ حکومت کی دستگیری فرما کر بارآور

فرما دے۔ اس مرحلہ پر اعلاء کلمۃ اللہ کا دور دورہ دیکھنے اور شریعت غراء کے نفاذ و غلبہ کے آرزومند تمام وابستگان قومی اتحاد، علماء و مشائخ، اہلِ علم و فکر، اربابِ دانش و بینش اور ملک کے تمام خیر خواہوں کا فرض ہے کہ نئی کابینہ اور حکومت کی شاندار کامیابی کیلئے بھرپور کوششیں شروع فرمادیں۔

اس وقت ملک کے اندر اور باہر فتنوں کے طوفان اٹھ رہے ہیں اپنے ہی کچھ شریکِ سفر لوگوں نے پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا ہے۔ اور قومی اتحاد کے مقاصد سے غداری کی ہے۔ اسلام کے مقدس لبادوں میں لپٹے ہوئے چند لٹیرے بھی قافلہ پر شبخون مار رہے ہیں اور کچھ سرخ آندھیوں کی لپیٹ میں آکر بصیرت و بصارت سے محروم ہوتے جارہے ہیں۔ ایسے حالات میں ملک و ملت کے استحکام اور شیرازہ بندی کی رہی سہی جو بھی صورت ہے۔ اسے مزید استوار اور مستحکم کرنا اس سے وابستہ رہنما حالات کا وقت کا مستقبل کے خطرات کا تقاضا ہے، قومی اتحاد کا بھی فریضہ ہے کہ وہ نہایت حزم و احتیاط، تدبّر و فراست سے ہر قدم اٹھائے ورنہ ایک لحظہ کی غفلت توکیا ایک لمحہ کی لغزش بھی منزلِ مقصود یعنی کعبۂ اسلام اور جادۂ شریعت کی مسافت صدیوں تک طویل و دراز کردے گی۔ ؎ یک لحظہ غافل بودہ ام صد سالہ راہم دور شد۔ —— ولا فعلها اللہ ——

مرشد دین پوری کی وفات اخباری اطلاع کے مطابق ریاست بہاولپور کے مشہور مرکزِ رشد و ہدایت دین پور شریف کے مسند نشین صاحبِ نسبت وارشاد بزرگ شیخ وقت مولانا عبدالہادی صاحب دین پوری قدس اللہ سرہ العزیز واصل بحق ہوگئے۔ رمضان المبارک کی وفات ویسے بھی لقاء رب اور وصالِ حق کا ایک مبارک ذریعہ، پھر جب ایسے مقربین بارگاہِ ایزدی کا وقت موعود آجائے تو ان نفوسِ مطمئنہ کے فوز و فلاح اور سکینہ و رضا کا عالم ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ مگر افسوس اور غم تو ہم پس ماندگانِ راہِ سعی و عمل کا ہوتا ہے۔ جو اس قحط الرجال میں ایسے قدسی صفات بزرگوں کی برکات سے محروم ہوتے جارہے ہیں۔ مولانا مرحوم سے اس خانقاہ کی رونق قائم رہی جو ایک عرصہ تک وعظ و اصلاح اور زہد و ارشاد کے ساتھ جہادِ آزادی اور تحریک استخلاص وطن کا بھی ایک سرگرم مرکز رہا تحریکِ ریشمی رومال اور جہادِ حریت کے ایک اہم ستون اس خانقاہ کے عظیم روحانی مرشد اور ہادی حضرت مولانا غلام محمد دین پوریؒ تھے۔ شیر بیشۂ اسلام اور عظیم انقلابی رہنما مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ان گوناگوں نسبتوں کی وجہ سے یہاں کی سرزمین کو اپنے ابدی استراحت کیلئے منتخب کیا، حضرت مرحوم مولانا عبدالہادی قدس سرہٗ کی صحت، ضعف و نقاہت اور طویل علالت کے باوجود بھی ایسی نہ تھی کہ گویا آپ یکایک رختِ سفر باندھ لیں گے۔ اور یہ ناچیز کی خوش بختی یا حسن اتفاق ہے کہ ایسے دور دراز علاقوں میں جانے کا اتفاق بہت ہی کم ہونے کے باوجود اسی رمضان المبارک میں یعنی حضرت کے وصال سے چند دن قبل ، رمضان مطابق ۱۲ اگست کو دین پور شریف

جاکر حضرت کی خدمت میں کچھ دیر کیلئے حاضری کی غیبی صورت ظاہر ہوئی، حضرت اس وقت صاحب فراش تھے، فرمایا کہ وضو اور نماز سب کچھ اسی چارپائی پر ہوتا ہے اور جماعت کے وقت چارپائی اٹھا کر صف کے ساتھ لگادی جاتی ہے، کچھ دیر دعاؤں سے نوازا جمعیۃ اور ملکی حالات کا بھی دریافت فرماتے رہے۔ حضرات مشائخ مولانا دین پوریؒ مولانا سندھیؒ قدس اللہ اسرارہم کے مزارات پر فاتحہ پڑھنے کے لئے اپنے خدام کو ساتھ بھیجا اور بڑی محبت و شفقت سے رخصت فرمایا یہ خیال تھا کہ ظلمتہائے دوراں کے چند سحری چراغوں کا یہ ٹمٹماتا چراغ بھی روادری میں ہے کہ ؎

دل کا جانا ٹھہر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا

اسی دن مخدوم محترم حضرت مولانا عبداللہ درخواستی مدظلہٗ کی خدمت میں خان پور شریف حاضری بھی ہوئی اور ان کے دورۂ تفسیر میں کچھ دیر بیٹھنے کا شرف بھی نصیب ہوا۔ مجھے پہلی بار ۱۹۷۰ء کے لگ بھگ حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہٗ کی معیت میں دین پور ان کی خدمت میں حاضری اور دن بھر قیام اور ان کی میزبانی کا شرف نصیب ہوا تھا، پھر ایک بار مری کے مضافات میں جبکہ آپ بحالیٔ صحت کے سلسلہ میں وہاں مقیم تھے، ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی اور یہ تیسری اور آخری زیارت تھی۔ ایک بار جب الحق میں ایران کے جشنِ شہنشاہیت کے جاہلیت پہلوؤں پر تفصیل سے اداریہ آیا تو آپ نے ایک مفصل مکتوب کے ذریعہ تحسین، حوصلہ افزائی اور دعاؤں سے نوازا حق تعالیٰ ایسے سراپا فیض و برکت بزرگوں کے فیض کو جاری و ساری رکھے اور ان کے اخلاف صدق کے ذریعہ خانقاہ کی رونق قائم و دائم رکھے۔

سمیع الحق

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

——— کتابت و طباعت کی پے در پے گوناگوں مشکلات کی وجہ سے اس بار پھر پرچہ کی اشاعت میں تاخیر پر ہم تمام قارئین سے معذرت خواہ ہیں اور مشکلات پر قابو پانے کے لئے دعا کے بھی خواستگار ہیں۔ ——— ادارہ ———

دارالعلوم حقانیہ میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کی آمد اور خطاب

رپورٹنگ : جناب شفیق فاروقی

اکوڑہ خٹک میں
حضرۃ سید احمد شہیدؒ
کے
جہاد
اور
شہداء
کا
خون
دارالعلوم حقانیہ کی شکل میں رنگ لایا۔

۱۹ جولائی ۱۹۷۰ء کا دن دارالعلوم حقانیہ کیلئے خوشیوں کا دن تھا۔ بلکہ یہ سارا مہینہ مسرتوں کا موسم بہار تھا۔ ابھی چند روز پہلے ایشیائی سربراہی کانفرنس کے سلسلے میں آنے والے بھارت کے ایک محبوب و معزز مہمان شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے جانشین و فرزند مولانا سید اسعد مدنی مدظلہٗ نے دارالعلوم کو اپنے قدوم سے نوازا تھا اور آج دارالعلوم میں عالم اسلام کے عظیم مفکر اور داعی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ندوۃ العلماء لکھنؤ کی آمد تھی، گو دارالعلوم میں تعطیلات شعبان کی وجہ سے طلبہ موجود نہیں تھے مگر جہاں جہاں بھی اطلاع پہنچی علماء، دانشور، اور دینی درد سے سرشار مسلمان اس شمع علم کی زیارت کے لئے پروانوں کی طرح جمع ہو گئے۔ ایک ایک منٹ انتظار میں گذر رہا تھا حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ علالت کے باوجود مشتاق دید بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ مولانا موصوف کی آمد کا ایک مقصد حضرت کی ملاقات بھی تھا۔ الحمد للہ کہ مولانا ندوی مدظلہٗ اور ان کے رفقاء کا قافلہ مولانا سمیع الحق صاحب ایڈیٹر الحق کی رفاقت میں ظہر کے بعد دارالعلوم پہنچا۔ مولانا موصوف کے ساتھ کئی ممتاز علمی اور ادبی شخصیتیں بھی شریک سفر تھیں مولانا مدظلہٗ کے بھانجے مولانا محمد الحسنی مدیر البعث الاسلامی (عربی) مولانا معین اللہ صاحب ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا اسحاق جلیس صاحب مدیر تعمیر حیات لکھنؤ جناب احمد الحسینی سعودی قونصل خانہ لاہور بھی مولانا مدظلہٗ کے ہمراہ تھے۔ اسی طرح ہندوستان کے وقیع اور معروف علمی ادارہ دارالمصنفین اعظم گڑھ کے ناظم اور موقر جریدہ معارف کے مدیر شہیر مولانا صباح الدین عبدالرحمان صاحب بھی ساتھ تھے جو دارالمصنفین کے کسی سلسلہ میں اسلام آباد میں تشریف فرما تھے اور مولانا سمیع الحق صاحب سے اتفاقیہ ملاقات کے بعد مولانا نے انہیں بھی تشریف لانے کی دعوت

ذی علم و فضل کے یہ اعیان مولانا ندوی مدظلہٗ کی قیادت میں دارالعلوم پہنچے سب سے پہلے حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ سے ملاقات کی، دونوں اکابر کی محبت و عقیدت اور خلوص کی ملاقات کا منظر دیدنی تھا۔ اس کے بعد الحق کے نئے دفتر میں معزز مہمانوں نے دوپہر کا کھانا تناول فرمایا نماز عصر کے بعد دارالعلوم کی جامع مسجد کے ہال میں جو اطراف و اکناف سے آئے ہوئے مشتاقین علم و فضل سے بھرا ہوا تھا، ایک مختصر تقریب کے آغاز میں مولانا سمیع الحق صاحب مدیر الحق نے عظیم اور محبوب مہمان کا خیر مقدم کرتے ہوئے استقبالیہ تقریر میں کہا کہ :

"میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن سے حضرت الاستاد الداعیۃ الکبیر علامہ ندوی مدظلہٗ کا خیر مقدم اور شکریہ ادا کروں صرف اتنا عرض ہے کہ آج دارالعلوم کی شکل میں علوم دینیہ کا جو سلسلہ اللہ تعالیٰ نے چلایا وہ حضرت ندوی کے مورث اعلیٰ سیدنا الامام احمد بن عرفان الشہید شاہ اسماعیل شہید اور ان اسلاف کے جہاد و قربانی کا ایک کرشمہ ہے اور انہی اسلاف کی برکات ہیں۔ حضرت سید شہید کا جو مقام دعوت و عزیمت تھا اس دعوت کو مولانا ندوی نے صرف عالم اسلام میں نہیں بلکہ یورپ میں اور اسلام دشمن ممالک کے آخری سروں تک پہنچایا، بیشک آپ ان کے اہل وارث ہیں۔ سید احمد شہیدؒ نے جس مقام سے اپنے جہاد کا آغاز کیا وہ یہی اکوڑہ خٹک تھا۔ اور صدیوں بعد اللہ کے دین کے لئے خالص اللہ کی رضا کیلئے برصغیر میں اگر خون شہادت گرا کسی مسلمان کا تو وہ سعادت اسی سرزمین اکوڑہ خٹک کو حاصل ہے۔ یہی وہ علاقہ ہے یہی وہ فضائیں ہیں جہاں آپ کے سید شہیدؒ نے سالہا سال ریاضتیں کیں، ایک ایک بستی میں گشت کئے، ایک ایک حجرہ کو وعظ و تبلیغ سے منور کیا۔ یہاں انہوں نے حکومت الٰہیہ قائم کی اور آج تقریباً یہی وہ معرکے کا میدان ہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم حقانیہ کو قائم فرمایا ہے ۔

بہر زمین کہ نسیمے ز زلف او زدہ ست   ہنوز از سر آں بوئے زلف می آید

اور جسطرح دارالعلوم دیوبند کے مقام و محل ۔ ۔ ۔ ۔ سے گزرتے ہوئے حضرت سید شہیدؒ نے فرمایا کہ مجھے یہاں سے علم کی خوشبو آرہی ہے۔ اسی طرح ان میدانوں اور صحراؤں میں سید شہیدؒ کی راتیں گذریں راتوں کی آہ و بکا، سوز و گداز کیا کیا راز و نیاز ہوگا جو ان میدانوں میں ان فضاؤں میں نہیں ہوا ہوگا اسی اکوڑہ خٹک کے معرکہ حق و باطل والی رات کو سید شہیدؒ نے لیلۃ الفرقان کہا تھا کہ یہ رات حق و باطل کی تمیز کا ذریعہ ٹھہری۔

میں اپنے احباب سے اور ان معزز مہمانوں سے جو حضرت ندوی مدظلہٗ کا ساتھ کر تشریف لائے اتنا عرض کروں گا کہ اس وقت عالم اسلام میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے جو مساعی ہو رہی ہیں

اس میں حضرت مولانا ندوی کا نہایت وقیع، ممتاز اور وافر حصہ ہے۔ عالم عرب کو ان کا اصل مقام یاد دلانے میں ان پچیس تیس سالوں میں مولانا ندوی کا خاص حصہ ہے وہ محترم شخصیت ہم میں موجود ہیں جنہوں نے امریکہ کے وائٹ ہاؤس تک۔ وہاں کی عظیم یونیورسٹیوں میں وہاں ہی کے دانشوروں اور مستشرقین کو سکالروں کو عیسائیت کی مسخ شدہ تصویر دکھائی اور اسلام کی ابدی صداقتوں کو ان کے سامنے واضح کیا۔ بلاشبہ مولانا ندوی مدظلہٗ اس دور میں ایک مجددانہ کام کر رہے ہیں۔ اس صدی میں مغرب اور مغربیت اسلام اور عالم اسلام کیلئے ابتلاءِ عظیم کا باعث بنا تو مغرب کا جو اپریشن اور وہاں کے فلسفوں کا جو تحلیل و تجزیہ مولانا نے فرمایا اور جس جارحانہ انداز میں مغربیت کا تعاقب کیا اسکی مثال بہت کم ملے گی آج وہ نعمت خود چل کر ہمارے پاس آئی ہے۔ یہ دارالعلوم کی سعادت ہے اور دارالعلوم کا سب کچھ اکابر کی بزرگانہ توجہات کا مرہونِ منت ہے یہ ان حضرات اور اسلاف کا فیض ہے کہ آج اس وادیٔ غیر ذی زرع میں اللہ تعالیٰ نے کچھ دین کا سلسلہ چلایا ـــــ میں مولانا کے معزز رفقاء جو ہندوستان کے اہل علم و فضل ہیں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ محترم دوست مولانا محمد الحسنی مدیر البعث الاسلامی جنہیں اللہ نے اردو اور عربی دونوں زبانوں میں مولانا کا جانشین بنایا ہے اور ندوۃ جیسے عظیم ادارہ کے ناظم مولانا معین اللہ ندوی صاحب، اسی طرح وقیع مجلہ تعمیرِ حیات کے ایڈیٹر مولانا اسحاق جلیس کا بھی شکرگذار ہوں، ان خوشیوں میں ہندوستان کے ایک اور عظیم اور قدیم ادارہ دارالمصنفین جسے علامہ شبلی نے قائم کیا اور علامہ سلیمان ندوی مرحوم نے پروان چڑھایا کے ناظم اور برصغیر کے قدیم مؤقر جریدہ معارف کے مدیر مولانا صباح الدین عبدالرحمان کی آمد نے اور بھی اضافہ کر دیا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ندوۃ العلماء اور دارالمصنفین کے اکابر یہاں جمع کر دیئے ہیں، ان حضرات کی برکت سے اللہ تعالیٰ دارالعلوم کو دین کی خدمت انجام دینے کی بیش از بیش توفیق دے۔"

اس کے بعد مولانا ندوی مدظلہ نے مختصر خطاب فرمایا اس لئے کہ ایک تو مولانا بے حد تھکاوٹ محسوس کر رہے تھے پھر جلد ہی واپسی بھی تھی۔ تقریر کے بعد مولانا ندوی مدظلہ کے مبارک ہاتھوں دارالعلوم کے طلبہ کیلئے سید احمد شہید قدس سرہٗ کے نام نامی پر موسوم دارالاقامہ سید احمد شہیدؒ کا سنگ بنیاد رکھا گیا، یہ عمارت دارالحدیث کے مغربی جانب درسگاہوں کی چھت پر بنے گی۔ یہاں تک بالکل عقب میں وہ گھاٹی ہے جہاں سے سید شہیدؒ کے مجاہدین نے اکوڑہ خٹک کے میدان میں شبخون مارا تھا۔ سنگ بنیاد رکھتے ہوئے مولانا ابوالحسن ندوی اور ان کے رفقاء کی مسرت قابلِ دید تھی۔ مولانا ندوی نے سنگ بنیاد رکھنے کے بعد تضرع و الحاح سے اس عمارت کی تکمیل کیلئے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس دارالعلوم

کو دین کے داعیوں اور مجاہدین کا مرکز بنا دے۔ اس کے بعد دارالعلوم کے مختلف شعبوں اور عمارتوں کا معائنہ فرمایا۔ کچھ دیر دارالعلوم کے دارالحدیث میں تشریف فرما رہے، وہاں دارالعلوم کی کتاب الآراء میں اپنے تاثرات قلمبند فرمائے نماز مغرب کے بعد دارالعلوم کے صحن میں گھنٹہ ڈیڑھ شائقین کے جھرمٹ میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے ساتھ بیٹھے رہے رات ساڑھے آٹھ بجے اکوڑہ خٹک ریلوے اسٹیشن پر مولانا مدظلہ کو باچشم پرنم رخصت کیا گیا مولانا ندوی مدظلہ ان میدانوں اور فضاؤں پر بڑی والہانہ اور حسرتوں بھری نگاہیں ڈالتے رہے جہاں سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء نے برصغیر میں سب سے پہلے حکومت الٰہیہ کے قیام کے لئے اپنا خون پانی کی طرح بہایا۔ مولانا مدظلہ کے تحریری تاثرات یہ ہیں :

رائے گرامی مولانا ابوالحسن ندوی مدظلہ مہتمم ندوۃ العلماء لکھنؤ

آج ۱۳ر شعبان المعظم ۱۳۹۸ھ کا دن میرے لئے بہت ہی مسرت اور سعادت کا دن ہے کہ میں اپنے عزیز رفقاء اور محترمی سید صباح الدین عبدالرحمان ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ و مدیر معارف کی معیت میں دارالعلوم اکوڑہ خٹک حاضر ہوا، اس سرزمین سے جس میں یہ دارالعلوم واقع ہے ایک وسیع اور عزیز تاریخ اور بڑی یادگار روایات وابستہ ہیں۔ یہ وہ سرزمین ہے جس پر مسلمانوں کی نئی تاریخ لکھی جانے والی تھی مگر وہ نامکمل رہ گئی۔ اور اسی کے ساتھ احیائے اسلام اور مسلمانوں کا نشاۃ ثانیہ کی تاریخ کا ورق الٹ گیا۔ دارالعلوم حقانیہ کا قیام ایک فال نیک ہے اور ان ہی شہیدوں اور مخلصوں کی جانفشانیوں کی برکت ہے۔ میرے ذہن میں دارالعلوم کا جو نقشہ اور تصور تھا۔ میں نے اسکو اس سے کہیں بہت اور وسیع تر پایا۔ اسکو دیکھ کر امید پیدا ہوتی ہے کہ یہ ملک کا مرکزی دارالعلوم اور عظیم جامعہ اسلامیہ ثابت ہوگا۔ خوش قسمتی سے اسکو حضرۃ مولٰنا عبدالحق مدظلہ کی سرپرستی اور ان کی دعا اور توجہ حاصل ہے۔ اسی کے ساتھ فاضل اساتذہ کی تدریسی خدمات اور طلبہ کی کثیر تعداد بھی یہاں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ اسکو نظر بد سے بچائے اور ہر طرح کی آفات اور مکروہات سے حفاظت فرمائے۔ اور یہ جلد منازل ترقی طے کر کے بام عروج پر پہنچے۔

خاکسار

ابوالحسن علی ندوی

ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۳ر شعبان المعظم ۱۳۹۸ھ / ۱۹ر جولائی ۷۸ء ۱۹

مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کا خطاب

(خطبۂ مسنونہ کے بعد)

میرے بزرگو، دوستو اور عزیزو! ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک عشاء کی نماز کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ مبارک سے باہر تشریف نہیں لائے، بہت دیر ہوگئی جو معمول تھا معمول کے مطابق آپ وارد نہیں ہوئے ۔ مسلمان اس اشتیاق میں بیٹھے ہوئے تھے کہ جن کی تعلیم سے اور جن کی برکت سے نماز سیکھی ہے ان کے پیچھے اس مسجد میں جو لاسس علی التقوٰی کا مصداق ہے عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے گھر جائیں اور آرام کریں۔ یہ لوگ تھے جو دن بھر ہاتھوں پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہیں رہتے تھے، بلکہ کھیتوں میں باغوں میں دوکانوں پر سارا دن محنت کرتے رہتے تھے وہ گرمیوں کا زمانہ تھا یا جاڑوں کی رات تھی اگر گرمیوں کا زمانہ تھا تو مدینہ کی گرمی سب کو معلوم ہے، بہت سخت، ایسی جھلسا دینے والی، جلا دینے والی گرمی، اس میں سارا دن کام کرتے رہے اور اب آئے تھے کہ نماز پڑھ کر جا کر سو رہیں گے لیکن اللہ کا رسول حجرے سے باہر نہیں آیا تھا۔ لوگ کچھ اونگھنے لگے تھے، کچھ سونے لگے تھے سب پر نیند کا اور تھکان کا غلبہ تھا حضرت عمرؓ نے جو امت کے اتالیق تھے اور بڑے شفیق تھے۔ انہوں نے محسوس کیا اور آواز دی کہ یارسول اللہ بچے اور عورتیں سونے لگے ہیں آپ باہر تشریف لایئے، لوگوں پر ایک نگاہ ڈالی اور فرمایا کہ اس وقت روئے زمین پر نماز کے انتظار میں جاگنے والے تمہارے سوا اور کوئی نہیں، یعنی جاگنے والے تو بہت ہیں اور جمع ہونے والے بھی بہت ہیں تقریر کیلئے ملنے جلنے کے لئے وقت کاٹنے کے لئے لیکن تمہارے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

ہجرت کے شروع کا یہ قصہ ہے یا درمیان کا۔ تو اصل میں قیمت اور قدر نوعیت کی ہوتی ہے۔ قیمت مقصد کی ہے اور نوعیت کی ہے۔ تعداد کی اور اژدحام کی نہیں اسی طریقے سے ہندوستان میں جب سے اسلام آیا ہے لڑائیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا، فتوحات پر فتوحات ہوتی رہیں۔ اور اتفاق سے فاتح آپ کے اس علاقے سے داخل ہوتے رہے۔ درۂ خیبر کے راستے سے یا بولان سے یہاں سے اسلامی فوجیں گذرتی رہیں، اللہ ان کو جزائے خیر دے ہم ان کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں کہ ان کی برکت سے ہندوستان میں اسلام کا جھنڈا بلند ہوا۔ اسلام چاہے سندھ میں ملتان تک عربوں کے ذریعہ زیادہ پھیلا ہو لیکن بہرحال اسلام کی عظمت یہاں قائم ہوئی اور بہت سے ایسے لوگ جو تعبیر کی افادیت اور مادی فائدہ دیکھے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے انہوں نے اسلام قبول کیا اور اس کے بعد ان کی اولاد میں ہزاروں لاکھوں اولیاء اللہ اور علماء ربانی پیدا ہوئے ہم ان بادشاہوں کا اور فاتحین کا بھی احسان نہیں بھول سکتے اور ہم ان لوگوں میں سے ہونا چاہتے ہیں جن کے متعلق قرآن مجید میں آیا ہے کہ والذین جاء وا من بعدھم یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل

فی قلوبنا غلاً للذین آمنوا ربنا انک رؤف رحیم ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : ان مہاجرین و انصار کے بعد جو لوگ آئیں گے وہ کہیں گے کہ یا اللہ ہماری مغفرت بھی فرما اور ہمارے اُن بھائیوں کی بھی جو الذین سبقونا بالایمان ۔ جو ایمان میں سبقت لے گئے ۔ دنیا سے ایمان کے ساتھ پہلے چلے گئے ۔ تو ہم محمود غزنوی اور ان سے پہلے اگر کوئی آیا ہو تو اس وقت سے لیکر احمد شاہ درانی تک جو اس راستہ سے آنے والوں میں سب سے آخر میں آنے والا تھا اور جس نے کہ مسلمانوں کے خلاف جو طاقتیں جمع ہو رہی تھیں ہندوستان میں اور جن کی قیادت مرہٹے کر رہے تھے اور ان طاقتوں کی کمر توڑ دی ۔ اور مغلیہ سلطنت نہیں بلکہ مسلمانوں کی عظمت و تہذیب کے گل ہوتے چراغ کو پھر تھوڑا سا تیل اور بتی مہیا کر دی ، اور ہندوستان کے مسلمان پھر پچاس ساٹھ برس کیلئے یہاں اپنے آپ کو محفوظ سمجھنے لگے اور اسلام کی شوکت کا نقش قائم ہو گیا ہم ان سب کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں اور انشاء اللہ کرتے رہیں گے اور ہم کو یہ راستہ بھی عزیز ہے جس راستہ سے یہ فاتح اور کشور کشا آئے لیکن جیسا کہ ابھی مولانا سمیع الحق صاحب نے فرمایا اور بجا فرمایا کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے خالص اللہ کی رضا کیلئے اور سنتوں کو زندہ کرنے کے لئے اور مسلمانوں کی زندگی کو شریعت کے سانچہ میں ڈھالنے کیلئے ۔ اور ادخلو فی السلم کافۃ ۔ کا پیغام پیدا کرنے کے لئے عمل کرانے کے لئے حدود شرعیہ کو نافذ کرنے کے لئے قوانین شریعت کو رائج کرنے کے لئے جو پہلا خون ہندوستان میں صدیوں کے بعد ہی نہیں بلکہ عالم اسلام میں تھوڑے بہت مطالعہ کی بناء پر جس کا موقعہ مجھے مل سکا ہے یہ کہہ سکتا ہوں کہ عالم اسلام میں صدیوں بعد جو پہلا پاک خون —— دم ذکی —— جس میں کوئی ملاوٹ نہیں تھی وہ خون جس سرزمین میں پہلی بار بہا ہے وہ آپ کی سرزمین ہے ۔ یہ اکوڑہ خٹک کی زمین ہے ۔ جس کے متعلق مرزا مظہر جان جاناں کا شعر صحیح ہوگا ۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

یہاں بناء رکھی گئی اس جہاد خالصۃً لوجہ اللہ کی کہ جس کا رواج دنیا میں قریب قریب ختم ہو چکا تھا کسی بادشاہ کے متعلق کسی غازی کے متعلق کسی فاتح کے متعلق تاریخ نہیں لکھتا کہ جہاد شروع کرنے سے پہلے اس نے اعلان نامہ بھیجا ہو کسی حریف کو جس کے خلاف اس نے غزا کرنا تھا ، جہاد کرنا تھا ۔ کہ تین چیزیں ہیں ، پہلی دعوت ہماری یہ ہے کہ تم اسلام قبول کر لو اگر تم اسلام قبول کر لوگے تو ہم یہ زمین تمہارے حوالے کر جائیں گے تم ہمارے بھائی ہو گے پھر ہمیں کوئی حق نہیں ہوگا کہ بستی بسا کر تمہاری جگہ بیٹھیں اس لئے کہ یہ آقاؤں کا تبادلہ نہیں یہ دین کا اور مسلک کا تبادلہ ہے ۔ یہ اللہ کے ساتھ عہد و پیمان کرتے ہو ۔ تو اوّل ہو تم زیادہ حقدار ہو اگر یہ تمہیں منظور نہیں تو تم جزیہ دینا منظور کر دیا جگذار ہمارے بن جاؤ ہم تمہاری حفاظت بھی کریں گے اور تمہیں اپنے حال پر باقی رکھیں گے اگر یہ بھی منظور نہیں تو پھر لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ ۔ تین چیزیں تھیں اور یہ بات اتنی پرانی ہو گئی تھی کہ فتوح البلدان بلاذری

میں آتا ہے کہ جب سمرقند فتح ہوا تو وہاں کے لوگوں کو کسی طرح پتہ چل گیا کہ اصل ترتیب اسلام میں یہ ہے کہ سب سے پہلے اسلام کی دعوت دی جائے، پھر اس کے بعد جزیہ کی پیشکش کی جائے اگر وہ بھی منظور نہ ہو تو پھر قتال ہے۔ تو انہوں نے دیکھا کہ سمرقند میں فوجیں داخل ہوگئیں بغیر دعوت اسلام دیئے، اور بغیر جزیئے کا مطالبہ کئے تو ان کو ایک عرصہ کے بعد ہوش آیا جب کہ مسلمان وہاں بس گئے تھے، وہاں گھر بنالئے تھے۔ تو انہوں نے ایک وفد روانہ کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں جنہیں خلفاء راشدین کی فہرست میں شامل کیا جائے وہ جنہیں خلیفہ خامس کہتے ہیں۔ ان کو معلوم ہوا کہ وہ خلیفہ عادل ہیں اور شریعت پر پورا پورا عمل کرتے ہیں تو ایک وفد مرتب ہو کر ان کے پاس حاضر ہوا اور ان سے شکایت کی کہ سمرقند بغیر اس سنت کے اور بغیر ایک حکم شرعی پر عمل کئے فتح ہوگیا ہے۔ انہوں نے وہیں بیٹھے بیٹھے ایک پرچہ لکھا وہاں کے قاضی کے نام کہ جس وقت تمہیں یہ پرچہ ملے تو اسی وقت عدالت کرو اور وہاں اس بات پر شہادت لو کہ جس وقت مسلمانوں کے قائد فوج کے قائد نے سمرقند فتح کیا، کیا اس وقت اس سنت پر عمل کیا گیا تھا یا نہیں۔ اگر ثابت ہوجائے اور کوئی شہادت اس امر پر نہ ہو کہ پہلے اسلام اور پھر جزیہ کی دعوت دی گئی تھی تو تمام مسلمان فوجیں اسی وقت سمرقند چھوڑ کر اس کی حدود سے باہر جا کر کھڑی ہوجائیں اس کے بعد اس سنت پر عمل کریں پہلے اہل سمرقند کو اسلام کی دعوت دیں اگر منظور ہو تو فبہا نہ ہو تو پھر جزیہ کا کہیں اسے بھی نہ مانیں تب جہاد کریں قاضی صاحب کو پرچہ ملا انہوں نے عدالت طلب کی مدعا علیہ مسلمانوں کی فوج کے قائد ہیں اور دنیا کی تاریخ میں شاید اس واقعہ کی نظیر نہ ملے کہ ایک کمانڈر جس نے اپنی نوک شمشیر سے اتنا اہم علاقہ ترکستان کا دارالخلافہ فتح کیا تھا وہ مدعی علیہ اور ایک معمولی مسلمان کی حیثیت سے حاضر تھا اس مسجد میں اس سے پوچھا گیا اس نے اعتراف کیا کہ ہاں مجھ سے یہ غلطی ہوئی کہ میں یلغار میں اور اسلامی فتوحات کے تسلسل میں اس اہم شرعی حکم پر عمل نہیں کر سکا اور جب یہ معاملہ ثابت ہوگیا تو قاضی صاحب نے حکم دیا کہ مسلمان اس شہر سے تخلیہ کریں۔ اسے خالی کریں مسلمانوں نے گھر بنالئے تھے، کھیتیاں جوت لی تھیں، بہت سے لوگوں نے اسے اپنا شہر بنالیا تھا تو سب کچھ چھوڑ کر دامن جھاڑ کر چلے گئے باہر جا کر کھڑے ہوگئے جب وہاں کے بت پرستوں نے یا بدھ مذہب کے ماننے والوں نے مشرکوں نے یہ معاملہ دیکھا کہ شریعت کا اتنا احترام ہے ان کے دلوں میں اور عدل و انصاف کا اتنا لحاظ ہے کہ وہ اپنے قائد قوات، یہ کمانڈر انچیف پر بھی اسے نافذ کرتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ اب لڑائی کی ضرورت نہیں ہم خود مسلمان ہوتے ہیں۔ چنانچہ سمرقند سارے کا سارا مسلمان ہوگیا اس واقعہ کے ذریعہ تو میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ اس وقت بھی جہاد کی اس سنت پر عمل کسی طرح چھوٹ جاتا تھا۔ اور اس کے بعد تو معلوم نہیں تاریخ کا تعین تو مشکل ہے مگر اس کے بعد مسلمانوں کی فتوحات کی تاریخ میں ہم یہ نہیں دیکھ سکتے کہ اس سنت پر عمل کیا گیا ہو۔ ہوا یہ کہ فوجیں بڑھتی چلی جاتی تھیں اور جو علاقے اور جو شہر ان کے

راستے میں آتے اسے فتح کر کے آگے بڑھتے جاتے مگر اس اللہ کے بندے نے اس مرد مجاہد نے جس کا نام حضرت سید احمد شہیدؒ ہے اور ان کے ساتھی مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ جنہیں ان کا وزیر اعظم کہئے یا دست راست کہئے یا دست و بازو کہئے یا لشکر کے قاضی مفتی اور شیخ الاسلام کہئے، ان دونوں نے پہلی مرتبہ اس سنت پر عمل کیا اور یہیں سے وہ اعلان نامہ لاہور روانہ کیا گیا جو بلفظہ کتابوں میں منقول ہے، تو یہی وہ سرزمین ہے جو ان مجاہدوں کے خون سے لالہ زار بنی۔

۔۔ ورنہ خون شہیداں ضائع نہیں ہوتا وہ ہزاروں باغ کھلاتا ہے اور اس کے نتیجے میں جیسے باغ پیدا ہوتے ہیں اسی طرح مدرسے بھی پیدا ہوتے ہیں، خانقاہیں بھی پیدا ہوتی ہیں، مسجدیں بھی صفحۂ وجود پر آتی ہیں اور وہ زمین اللہ کی راہ میں وقف ہو جاتی ہے اس لئے کہ اس پر شہیدوں کا اور مجاہدوں کا خون بہا ہے۔ تو آپ کی اس سرزمین کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہاں پر اللہ کی راہ میں اس جہاد کا آغاز ہوا اور راہی میں راستے میں سنا رہا تھا کہ ہمارے رائے بریلی کے ایک خان صاحب تھے۔ عبدالمجید خان صاحب ان کا نام بھی اس فہرست میں شامل تھا جنہیں رات کو بھیجا جاتا تھا کوڑہ کے چھاپہ کے لئے، رات کو چھاپہ ڈالنا تھا اور یہاں سے غالباً جو فاصلہ رہا ہوگا، تھی، ۸ کوس دس کوس کے فاصلے پر اور پھر رات ہی کو شبخون مار کر واپس ہونا تھا۔ تو حضرت سید احمد شہیدؒ کے سامنے جب فہرست آئی تو ان کو معلوم تھا کہ عبدالمجید خان صاحب بیمار ہیں اور کمزور ہیں۔ تو ان کے نام کے سامنے نشان لگا دیا کہ ان کا نام نکال دیا جائے کہ یہ کوئی جہاد کا اختتام نہیں، آغاز ہے۔ پھر بہت سے مواقع آئیں گے ان کے جہاد کے۔ تو ان کو جب معلوم ہوا کہ میرا نام فہرست سے نکال دیا گیا ہے تو کوئی اور ہوتا تو اس موقع کو غنیمت سمجھ لیتا کہ چلئے سر پر آیا ایک خطرہ ٹل گیا کہ چند آدمی دس ہزار کی فوج پر چھاپہ ڈالنے جا رہے ہیں راستہ کے نشیب و فراز سے ناواقف ہیں۔ تو پہلا تجربہ تھا، سوچتے کہ معلوم نہیں کیا صورت پیش آئے، تو وہ ایسے موقع کو غنیمت سمجھ لیتے کہ مجھے بھی کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی میرا نام امیرالمومنین نے خود ہی کاٹ دیا۔ اس سے زیادہ بہتر کیا بات ہوگی، لیکن ایسا نہیں بلکہ وہ خود دوڑتے ہوئے آئے اور شکایت کی میرا نام کیوں فہرست سے کاٹ دیا ہے۔ فرمایا بھئی تمہیں بخار آ رہا ہے، میں سن رہا ہوں کہ تم بیمار اور کمزور ہو اور یہ بڑا سخت چھاپہ ہے، اس کے لئے جفاکش اور تنومند لوگوں کی ضرورت ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ حضرت آج جہاد فی سبیل اللہ کی بنیاد قائم ہو رہی ہے اور یہ پہلا موقع ہے، تو کیا میں اس بنیاد کے موقع سے محروم رہ جاؤں تو میرا نام للہ اس فہرست میں شامل کر دیجئے تو ان کا نام اس فہرست میں شامل کر لیا گیا۔ اور اللہ نے ان کو قبول فرمایا اور وہ اس چھاپہ میں شہید ہوئے۔

تو یہ سارے واقعات اس سرزمین کے ہیں پھر یہاں سے دوسرا مقام شیدو میں ہوا۔ جو آپ کے قریب ہے، اس کے بعد پھر ہوتے ہوتے ہنڈ وغیرہ میں معرکے ہوئے، جہانگیرہ وغیرہ میں، ان سب ناموں سے مانوس

ہوں، اس راستہ پر آج میں پہلی مرتبہ آیا ہوں اور اس سے قبل پشاور اور مردان کے راستہ آنا ہوا تھا جو آج سے ۳۴ - ۳۵ برس پہلے کا واقعہ ہے جب دارالعلوم حقانیہ نہیں تھا اور میں آیا اور گھوم پھر کر چلا گیا، کیا معلوم تھا کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا اور میری عمر وفا کرے گی اور اللہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھے گا۔ کہ میں پھر دوبارہ یہاں آؤں گا اور اپنی آنکھوں سے اس دارالعلوم کو دیکھوں گا جہاں اُن شہیدینؒ کی نہ صرف یاد تازہ ہے بلکہ اپنا انتساب بھی ان کیطرف سے کیا جاتا ہے۔ یہ نسبت، یہ نسبت گرامی ایسی ہے کہ انشاءاللہ یہ رنگ لائے گی۔ خون شہیداں رنگ لایا، یہ نسبت انشاءاللہ رنگ لائے گی، اس کا نام حقانیہ ہے، اس میں حقانیت انشاءاللہ قائم رہے گی اور یہاں سے جو لوگ نکلیں گے وہ حقانیت کے علمبردار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الحدیث اور شیخ العلماء حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کی زندگی میں برکت عطا فرمائے، اور وہ اس مدرسہ کی کامیابیوں کو دیکھ کر انکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ خوش ہوں اور اللہ تعالیٰ ان کے لگائے ہوئے اس باغ کو سرسبز و شاداب رکھے اور پھلتا پھولتا رکھے۔ یہاں اس سرزمین میں ایک ایسا مدرسہ ضرور ہونا چاہیئے تھا جہاں قال اللہ اور قال الرسول کی آوازیں بلند ہوں۔ اس لئے کہ یہ اسی قال اللہ اور قال الرسول ہی کا نتیجہ تھا کہ کتنے اللہ کے بندے ہتھیلیوں پہ سر رکھے ہزاروں میل سے ہندوستان سے کہاں کہاں سے یہاں پہ آئے اور کہاں یہ میدان یہ قال اللہ اور قال الرسول ہی تھا جو ان کو اتنا دور کھینچ لایا اور یہ جب تک قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں بلند ہوتی رہیں گی۔ انشاءاللہ تعالیٰ تب تک رحمت برستی رہے گی ؎

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں ست خم و خمخانہ با مہر و نشان ست

ابھی یہ خمخانہ خالی نہیں ہوا جاری ہے اور حافظ کے اس شعر پہ میں ختم کرتا ہوں،

ز صد سخنے پیرم یک نکتہ مرا یاد است عالم نہ شود ویراں تا میکدہ آباد است

کہ اپنے مرشد کی سو باتوں میں سے ایک بات مجھے یاد رہ گئی ہے کہ عالم اس وقت تک ویران نہیں ہوگا جبتک میکدہ قائم ہے، یعنی میکدۂ معرفت قائم ہے۔ قال اللہ اور قال الرسول کا مرکز قائم ہے، اس وقت تک عالم ویران نہیں ہوگا اور یہ حدیث میں آتا ہے کہ جب تک ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا باقی ہوگا، اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی۔ آپ کو مبارک ہو یہ سرزمین بھی مبارک ہو، کبھی کبھی ؎

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

اور اس دارالعلوم کی آپ قدر کریں اس کے اساتذہ اور اس کے علماء کی قدر کریں یہاں ذہین طالب علموں کو بھیجیں اسلئے کہ اب ضرورت ہے جیسا کہ مولانا سمیع الحق صاحب نے اشارہ کیا کہ مغربیت کے فتنے میں ذہین لوگ سامنے آئیں کہ جن کے اندر حوصلہ ہو ولولہ ہو، اچھے خاندانوں کے ہوں ان میں مجاہدوں کا خون ہو شہیدوں کا

خون ہو، امینوں کا خون ہو، وفاداروں کا خون ہو۔ وہ آئیں اور وہ لوگ علوم کتاب وسنّت پڑھیں اور اس کے بعد اس سرزمین میں جو اس وقت ایک دوراہے پر کھڑی ہے اور یہاں اسلامی قانون کے نفاذ کے ارادے کئے جارہے ہیں اور مطالبے بھی کئے جارہے ہیں، وہ رہنمائی کریں۔

بس ان الفاظ کے ساتھ میں ختم کرتا ہوں ——— میں نے یہاں آکر کسی پر احسان نہیں کیا میرا کسی کے اوپر کوئی احسان نہیں بلکہ میں نے اپنے اوپر احسان کیا ہے۔ اور بلانے والوں نے مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر احسان کیا کہ یہ عزیز سرزمین ہمکو دوبارہ دکھلادی۔ جس مقصد کے لئے یہ زمین رنگین ہوئی تھی اللہ تعالیٰ اس مقصد کو دنیا میں عام کرے اور اسلام کا کلمہ بلند ہو۔ اسلام کو غلبہ حاصل ہو اور ہمارے گھروں میں ہمارے دفتروں میں ہمارے اداروں میں سب جگہ اسلام نافذ ہو۔

دعا کیجئے اللہ تعالیٰ فضل فرمائے اللھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم واخذل من خذل دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تعالیٰ ہمکو اور ہمارے سب دوستوں عزیزوں کو تمام روحانی جسمانی بیماریوں سے شفائے کلی عطا فرمائے، صحت عطا فرمادے، اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص للّٰہیت عطا فرمادے ہمارے قلوب کو منوّر فرمادے ہمارے دماغوں کو روشن کردے، ہمارے اعضاء وجوارح کو قوت عطا فرمادے ہماری آئندہ نسلوں میں اسلام کو قائم رکھے۔ آمین۔

پاکستان آرمی میں
جونیئر کمیشنڈ آفیسر خطیبوں
کی ضرورت

پاکستان آرمی میں جونیئر کمیشنڈ آفیسر خطیبوں کی کچھ آسامیاں خالی ہیں، جنہیں پر کرنے کے لئے مطلوبہ قابلیت کے مالک حضرات کی ضرورت ہے۔ شرائط ملازمت حسب ذیل ہیں۔

تعلیمی قابلیت :-

(الف) حکومت پاکستان کے منظور شدہ کسی دینی مدرسہ سے درس نظامی میں فارغ یا فاضل کی سند۔ جن طلبہ کو رواں ہجری سال کے ماہ شعبان و رمضان یا شوال میں منظور شدہ دینی مدارس سے سند فراغ یا فضیلت ملنے والی ہو وہ بھی درخواست دے سکتے ہیں۔

(ب) پاکستان کے کسی بورڈ سے میٹرک یا سیکنڈری اسکول سرٹیفیکیٹ۔ (حالیہ امتحانات میں شریک امیدوار بھی درخواست دے سکتے ہیں۔)

عمر :- یکم ستمبر ۱۹۷۸ء کو ۱۸ سے ۳۵ سال

عہدہ یا تنخواہ :-

ملازمت کے لئے منتخب امیدواروں کو نائب خطیب (نائب صوبیدار) کا عہدہ دیا جائے گا۔ فوجی وردی کے بجائے وہ منظور شدہ شہری لباس زیب تن کریں گے، جو فوج کی طرف سے مفت مہیا کیا جائے گا۔ فوج کے جونیئر کمیشنڈ افسران کی طرح انہیں اوپر والے رینک میں ترقی کی گنجائش ہوگی۔ ان کے عہدوں کے نام اور تنخواہ کا موجودہ اسکیل حسب ذیل ہے۔

	عہدہ		تنخواہ
ا-	نائب خطیب	(نائب صوبیدار)	۵۰۰ - ۲۰ - ۷۰۰ روپے
ب-	خطیب	(صوبیدار)	۵۷۵ - ۲۵ - ۷۷۵ روپے
ج-	خطیب اعلیٰ	(صوبیدار میجر)	۷۲۵ - ۳۵ - ۹۰۰ روپے

الاؤنس و دیگر مراعات :-

وہ تمام الاؤنس و مراعات جو فوج کے متقابل جے سی او صاحبان کو حاصل ہیں، انہیں بھی حاصل ہوں گی۔ مثلاً ذات کے لئے مفت راشن، مفت رہائش (جہاں موجود ہو) ورنہ کوارٹر الاؤنس، اپنے اور بیوی بچوں کے لئے مفت طبی سہولت، سفری مراعات، پنشن، گریجوٹی اور بیمہ کی مراعات وغیرہ وغیرہ۔

ملازمت کی جگہ :- پاکستان میں یا پاکستان سے باہر کسی بھی جگہ۔

تربیت :- منتخب شدہ امیدواروں کو فوجی زندگی سے روشناس کرانے کی خاطر خاص تربیت بھی دی جائے گی جو دو حصوں پر مشتمل ہوگی۔
(ا) مطالعاتی حصہ۔ (ب) عملی حصہ۔

طریق انتخاب :-

(الف)۔ امیدواروں کی سہولت کے مطابق مختلف مقامات پر ابتدائی امتحان اور انٹرویو جس کی اطلاع امیدواروں کو علیحدہ علیحدہ دی جائے گی۔

(ب)۔ کسی فوجی ہسپتال میں طبی معائنہ۔

(ج)۔ آخری انتخاب جنرل ہیڈ کوارٹرز، راولپنڈی، میں ہوگا جس کے نتیجے کی اطلاع امیدواروں کو دے دی جائے گی۔

درخواستوں کی آخری تاریخ :-

درخواستیں مجوزہ فارم پر شعبہ دینی تعلیمات، آرمی ایجوکیشن ڈائرکٹریٹ، آئی جی ای برانچ، جنرل ہیڈ کوارٹرز، راولپنڈی، میں ۱۵ ستمبر ۱۹۷۸ء تک پہنچ جانی چاہئیں۔ درخواستوں کے فارم مذکورہ بالا شعبہ دینی تعلیمات سے مبلغ -/۲ روپے کے ٹکٹ لگے ہوئے لفافے بھیج کر حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

خدمت و ایثار
قوت و کردار

RIO (K) PID/ARMY-3 S&S&-78

جناب ریاض الحسن نوری

جدید انکشافات اور مذہب

علوم قرآن میں علم جدید کی اہمیت

موجودہ دور میں سائنسی علم بڑی تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ جو نئے نئے انکشافات ہو رہے ہیں ان سے قرآن وسنت کے بیان کردہ حقائق کی تائید ہو رہی ہے، لیکن ان چیزوں سے وہی لوگ واقفیت حاصل کر سکتے ہیں جو نہ صرف جدید سائنسی علوم کا گہرا اور وسیع مطالعہ رکھتے ہوں بلکہ ساتھ ساتھ قرآن وسنت کے وسیع مطالعہ سے بھی بہرہ ور ہوں۔ ہمارے دور میں عام طور سے جدید تعلیم یافتہ طبقے کا علم جدید بھی بہت سطحی ہوتا ہے۔ اس لئے یہ لوگ اکثر بہک جاتے ہیں۔ جس کثرتِ مطالعہ کی آج ضرورت ہے وہ لوگوں کو مشکل سے نصیب ہوتا ہے۔ اوّل تو شوق ہی نہیں پایا جاتا۔ دوسرے وقت کی کمی آڑے آجاتی ہے۔ تیسرے کتابوں کی قلت کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ آجکل نئی نئی دریافتیں جسطرح قرآن وسنّت کی تائید کر رہی ہیں اور قرآن وسنت کے علم وحی ہونے کا ثبوت پیش کر رہی ہیں۔ اس کو سوچ کر ہی انسان ششدر ہو جاتا ہے۔ اور اعجازِ وحی کا نقش دل پر بیٹھ جاتا ہے اور انسان بے ساختہ پکار اٹھتا ہے

انہ الحق من ربک

کچھ عرصہ ہوا کہ ہندوستان میں معجزات پر بڑی لے دے ہوئی تھی، مگر جدید تحقیقات ان قرآنی معجزات کی تائید کر رہی ہیں۔ جن کا انکار نصف صدی قبل کیا گیا تھا۔ مثلاً فرعون کے دور کی تسع آیات والے معاملے کو لیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فارسلنا علیہم الطوفان والجراد والقمّل والضفادع والدم آیاتٍ مفصّلٰت (الاعراف ع)

(ترجمہ:- پھر ہم نے بھیجا ان پر طوفان اور ٹڈی اور چیچڑی اور مینڈک اور خون، بہت سی نشانیاں جدا جدا)

مذکورہ بالا آیت میں جو مینڈکوں اور ٹڈیوں کا ذکر ہے۔ اس پر مفصل کلام پھر کبھی کیا جائے گا۔ اس وقت خون والی آیت کے متعلق سن لیجئے۔ آج کھدائیوں کے بعد یہ بات سب نے تسلیم کر لی ہے کہ مصر میں حشرات اور خون کا عذاب آیا تھا اور اس سے انکار ممکن نہیں ہے۔

IMMANUEL VELIKOUSKY مشہور بین الاقوامی سائنس دان ہیں۔ آپ نے نیچرل سائنس کی تعلیم ایڈنبرا کی یونیورسٹی سے حاصل کی۔ تاریخ، قانون اور ڈاکٹری (M.D) کا علم ماسکو میں حاصل کیا۔ حیاتیات برلن میں پڑھی۔ دماغ کے فعل کا علم ZURICH میں حاصل کیا اور جدید نفسیات کا علم خاص دیانا میں پڑھا آپ وسیع پیمانے پر تحقیقات کر چکے ہیں۔ آپ نے ایک کتاب لکھی ہے جسکا نام WORLDS IN COLISION (تصادم کائنات) ہے۔ اس کے صفحات ۴۸ تا ۵۱ پر عذاب خون سے بحث کی ہے۔ آپ نے قرآن اور توریت کے حوالہ دے کر اس کو ثابت کیا ہے۔

آپ لکھتے ہیں کہ فرعون کے دور میں ایک دُمدار ستارہ زمین کے بہت قریب آگیا۔ پہلے اسکی دم زمین سے ٹکرائی جو سرخ گیس کی بنی ہوئی تھی۔ اس گیس میں سرخ رنگ کے ذرات تھے۔ تالاب، دریا، سمندر سب اسکی وجہ سے سرخ ہو گئے۔ قدیم امریکن قوم کی کتاب MANUSCRIPT QUICHE میں بھی یہی لکھا ہے کہ مغربی کرۂ ارض میں زلزلہ آیا، سورج کی حرکت رک گئی اور دریاؤں کا پانی سرخ ہو گیا۔

قدیم مصری مصنف IPUWER جس نے اس عذاب کا خود مشاہدہ کیا تھا۔ اسکی تحریر قدیم مصری کاغذ PAPYRUS پر لکھی ہوئی جدید کھدائیوں میں برآمد ہوئی ہے۔ اس میں وہ لکھتا ہے:

"دریاؤں کا تمام پانی سرخ ہو گیا ہے۔ تمام ملک میں وبا پھیلی ہوئی ہے۔ ہر طرف خون ہی خون ہے۔ انسان پیاس کا شکار ہیں۔ لوگ پانی کو چکھتے ہوئے جھجکتے ہیں۔ یہ ہمارا پانی ہے، یہ ہماری خوشحالی ہے۔ اب ہم کیا کریں ہر طرف تباہی ہے۔"[1]

ایک دوسرا مصنف[2] ہمیں بتاتا ہے کہ آسمانی عذاب سے ڈر کر جنگلی جانور بھی شہروں اور دیہات میں آگئے ---- اسی وجہ سے تھریس کے پہاڑ HAMENS یعنی سرخ کہلائے ---- مصر[3] کے ایک شہر کو بھی اسی وجہ سے مذکورہ بالا نام دیا گیا ---- بحیرۂ[4] قلزم کو انگریزی میں RED SEA یعنی سرخ سمندر بھی اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ اس موقع پر سرخ ہو گیا تھا، جب سے اس کا نام یہی پڑ گیا، ورنہ سمندر کو گہرائی کی بنا پر کالا یا جھاگ اور برف

---

1. A.H. GARDINER, ADMONITIONS OF AN EGYPTIAN SAGE FROM A HIERATIC PAPYRUS IN LEIDEN (1909).
2. APOLLODORUS, THE LIBRARY. (Translation J.G. FRAZER 1921) VI
3. FRAZER'S COMMENT TO APOLLODOROUS LIBRARY, I, 50

کی بنا پر سفید تو کہا جا سکتا ہے، لیکن سرخ کہنے کی اس کے علاوہ کوئی وجہ نہیں کہ وہ تاریخ میں ایک خاص موقع پر سرخ ہو گیا تھا۔ عرب اسے بحر احمر بھی کہتے ہیں یعنی سرخ سمندر۔

فن لینڈ کا صحیفہ KALEVALA ہمیں بتاتا ہے کہ قدیم زمانے میں دنیا پر سرخ دودھ کی بارش ہوئی تھی۔[1] ALATI کے تاتاری بھی یہی قصہ سناتے ہیں کہ قدیم زمانے میں ایک تباہی ایسی آئی تھی کہ تمام دنیا سرخ ہو گئی تھی۔[2] یونان کے ORPHIC HYMS یعنی قدیم گیتوں میں بھی یہ بات کہی گئی ہے کہ عظیم اولمپس تھرتھرانے لگا۔ اس کے گرد زمین سے آواز پیدا ہوئی اور سمندر میں ایسی حرکت پیدا ہوئی کہ سرخ لہریں اٹھنے لگیں۔[3] بابل کے لوگوں نے بھی اس بات کا تحریری ریکارڈ چھوڑا ہے کہ آسمان سے سرخ مٹی اور بارش برسی۔[4]

جدید تحقیقات قرآن و سنت کی تعلیم کے لئے جس قدر اہم ہیں اس کا اندازہ بہت کم لوگوں کو ہے۔ اب ہم ایک مثال سے بتاتے ہیں کہ جدید علم ہمارے لئے فہم حدیث میں کس طرح مدد ہو سکتا ہے۔ بخاری کی اس حدیث کو لیجیے جس کا ذکر شبلیؒ نے سیرت النبیؐ کے مقدمے میں بھی کیا ہے۔ عن عمرو بن میمون قال: رایت فی الجاهلیة قردة اجتمع علیها قردة قد زنت فرجموها فرجمتها معهم۔[5]

(ترجمہ: حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ میں نے جاہلیت کے زمانے میں دیکھا کہ ایسی بندریا کے گرد بندر جمع ہو گئے جو زنا کی مرتکب ہوئی تھی، پس ان سب نے مل کر اسکو سنگسار کیا اور میں نے بھی پتھر مارنے میں حصہ لیا۔)

اسماعیلی نے اس روایت کو دوسرے طریق پر روایت کیا ہے جو طویل ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت عمرو بن میمون نے فرمایا کہ میں یمن میں اپنے عزیزوں کے ریوڑ کے درمیان تھا اور بلند جگہ پر تھا کہ ایک بندر بندریا کے ساتھ آیا۔ پھر بندریا کے ہاتھ پر بطور تکیہ کے سر رکھ کر لیٹ گیا۔ اس کے بعد ایک اور بندر آیا جو عمر میں پہلے بندر سے چھوٹا تھا۔ اس نے بندریا کو اشارہ کیا۔ اس پر بندریا نے بڑی آہستگی سے پہلے بندر کے سر کے نیچے سے اپنا ہاتھ نکالا۔ (ایسے کہ پہلا بندر جاگ نہ جائے۔) اور چپکے سے اشارہ کرنے والے بندر کے

---

1. KALEVALA, Rune 9.
2. U. HOLMBERG, FINNO-UGRIC, SIBERIAN MYTHOLOGY (1927) P. 370
3. "TO MINERVA" IN ORPHIC HYMNS (A. BUCKLEY) ed. WITH ODYSSEY OF HOMER (1861)
4. F. X. KUGLER, "BABYLONISCHE ZEITORDNUNG" (VOL. II OF HIS STERNKUNDE AND STERNDIENST IN BABEL) 1909 - 1910 - P- 114

۵۔ صفحہ ۱۶۰ فتح الباری جلد ۸

پیچھے چلی گئی۔ پھر اس بندر سے بندریا سے ہم بستری کی، میں سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کے بعد بندریا واپس آگئی اور آہستگی سے اپنا ہاتھ پہلے بندر کے گال کے نیچے رکھنے لگی۔ لیکن بندر گھبرا کر جاگ گیا اور بندریا کو سونگھا پھر اس نے شور مچانا شروع کر دیا، اس پر اور بندر اس کے گرد جمع ہو گئے۔ وہ بندر شور مچاتا رہا اور ہاتھ سے بندریا کیطرف اشارہ کرتا رہا۔ پھر بندر دائیں اور بائیں پھیل گئے۔ جلد ہی وہ اس بندر کو پکڑ لائے جسکو میں نے پہچان لیا۔ اس کے بعد انہوں نے ان دونوں کے لئے گڑھا کھودا، اور ان کو سنگسار کر دیا۔ پس میں نے غیر بنی آدم میں رجم دیکھا۔[1]

بخاری کی مذکورہ بالا روایت پر بعض علماء نے اشکال وارد کئے ہیں کسی نے یہ شک ظاہر کیا ہے کہ یہ لوگ جن ہوں گے۔ حمیدی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے۔ کہ یہ بخاری کے صرف بعض نسخوں میں پائی جاتی ہے۔ الخ ابن عبدالبر نے کہا کہ اس میں زنا کی نسبت غیر مکلف کیطرف ہے۔ اور بہائم پر حد لگانے کا ذکر ہے۔ یہ بات اہل علم کے نزدیک منکر ہے۔[2]

ہم کہتے ہیں کہ بیشک انسان اسکا مکلف نہیں کہ وہ جانوروں کو ان کے آپس کے کسی اختلاف یا جھگڑے پر سزا دیتا پھرے۔ لیکن اگر جانور خود مل کر اپنے میں سے کسی کو جرم کی سزا دیں تو حضرت انسان اعتراض کرنے والے کون ہیں۔ اب کیمبرج کی پروفیسر JOAN ROBINSON (جون رابنسن) کا بیان سنئے، آپ ذاتی ملکیت اور چوری پر بحث کرتے ہوئے فرماتی ہیں۔

"کوؤں کی قسم کے پرندوں یعنی (ROOKS) کی مثال لیجئے، یہ مل کر گھونسلے بناتے ہیں۔ ہر سال موسم بہار میں نئے گھونسلے بنائے جاتے ہیں، یا پرانوں کو درست کیا جاتا ہے جبلت[3] یا جو بھی اسکو کہہ لو۔ غرض جو چیز بھی ان کے عمل کو کنٹرول کرتی ہے۔ اسکی بنا پر یہ کوّے نما پرندے باہر جا کر گھونسلہ بنانے کے لئے تنکے توڑتے ہیں۔ ان میں اس بات کی قدرتی اہلیت پائی جاتی ہے کہ وہ قابلیت کے ساتھ کام کریں اور یہ کہ وہ سب سے اعلیٰ اور جلدی سے حاصل ہو جانے والے تنکوں کا انتخاب کریں، ورنہ تو کام کبھی ختم نہ ہو۔ لیکن یہ ظاہر ہے سب سے اچھے اور سب سے جلد حاصل ہونے والے تنکے وہ ہوتے ہیں جو پہلے ہی سے کسی

---

[1] [2] محولہ بالا

[3] جبلت یا INSTICT کے متعلق سائنس دانوں میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ بہت سے سائنس دان اس کا وجود ہی تسلیم نہیں کرتے۔

گھونسلے کی زینت بن چکے ہوں۔ آخر وہ کیا چیز ہے جو ان کو ایک دوسرے کی چیز چرانے سے محفوظ رکھتی ہے۔؟ اگر ہر پرندہ دوسرے کے تنکے جمع کرنے پر تکیہ کرے تو ظاہر ہے کہ سوسائٹی برباد ہو جاتے۔ یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ ان کے اندر استعمال شدہ تنکوں کو دوبارہ استعمال کرنے کے خلاف کوئی قدرتی میلان پایا جاتا ہے۔ اس کے برعکس یہ بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ جس گھونسلے کو کوّے چھوڑ کر جا چکے ہوں۔ ان گھونسلوں کے تنکوں کو دوسرے کوّے اپنے گھونسلے بنانے میں آزادانہ استعمال کرتے ہیں۔ بعض مشاہدہ کرنے والوں کا بیان ہے کہ کبھی کبھی چوری کے واقعات بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب بھی چور کو دیکھ لیا جاتا ہے تو دوسرے تمام کوّے مل کر جتھا بنا کر اس پر ہلہ بول دیتے ہیں اور اسے بھگا دیتے ہیں۔ مسٹر کیٹس اس ہلہ بولنے کی ایک اور زیادہ جاذب نظر توجیہ[۲] بیان کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک سب پرندے اس وقت مل کر ایک پر ہلہ بولتے ہیں۔ جبکہ کوئی کوا کسی دوسرے کوّے کی مادہ سے بدفعلی کرے[۲]۔ اگرچہ ایسا ہونا عین ممکن ہے کہ چور یا مجرم کو اپنے جرم اور غلطی کا احساس کرتا ہو اور دوسرے کوّوں کو سچائی کی خلاف ورزی پر ہی غصہ آتا ہو۔ کیونکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پرندوں کی جذباتی زندگی بھی ہمارے ہی سے ملتی جلتی ہے، لیکن ہمارا مقصد اس سوال کو اٹھانا نہیں ہے۔ اصل نکتہ کا تعلق کوّے نما پرندے (ROOK) کے اندرونی جذبات سے نہیں ہے۔ اصل نکتہ یہ ہے کہ مماثل سوشل زندگی اور ذاتی ملکیت وہی نتائج سامنے آتے ہیں۔ یعنی ایک اخلاقی ضابطہ قوانین جس کے پیچھے جزا اور سزا کا نظام اسکی تقویت کے لئے موجود ہو۔"[۳]

---

[۱] جب میں یہ مضمون لکھ رہا تھا تو ان ہی دنوں میں پاکستان ٹائمز لاہور میں یہ خبر چھپی کہ ضلع ہزارہ میں پہاڑی رستے میں ایک شخص اپنی سات سالہ لڑکی کے ساتھ جا رہا تھا کہ چاروں طرف سے بندروں نے گھیر لیا اور اس لڑکی کو پتھر مارنا شروع کر دیا۔ آخر کار وہ بیچاری لڑکی ان ہی پتھروں سے مر گئی۔ اس جدید واقعہ سے بہر حال یہ تو ثابت ہو گیا کہ بندر سنگساری سے واقف ہیں۔

[۲] PP. 31 and 38, The Life of the rook by G.K. yeats.

[۳] P. 12 "ECONOMIC PHILOSOPHY" by Joan Robinson

reader in Economic at cambridge Since 1949

آپ بہت سی کتب کی مصنفہ ہیں اور آپکی کتب بین الاقوامی شہرت کی حامل ہیں۔ آپ شادی شدہ ہیں اور اولاد بھی رکھتی ہیں۔

تصوف و سلوک

ملفوظات مولانا عبداللہ بہلوی شجاع آبادی

جامع ماسٹر محمد عمر صاحب خان گڑھ

بیعت اور شیخ کی ضرورت فرماتے تھے بیعت کی برکات بے نہایت ہیں۔ راستہ کے خطرات اور اس کی ٹھوکروں سے بچنے کے لئے کسی ماہر کامل متبع سنت کی صحبت و اعانت کے بغیر بصیرت کا آنا ناممکن ہے۔ ہر چیز اپنی اپنی دکان سے ملتی ہے۔ کپڑا، کپڑے والے دکان سے، حکمت، حکیم سے۔ دوا پنساری سے۔ علم مدرسہ سے مگر کتابوں کے علم کے مصداق رنگ چڑھانا ہو تو وہ اہل اللہ کے فیض صحبت سے نصیب ہوتا ہے۔

صحبت کی اہمیت کی بڑی دلیل مقام صحابہؓ ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی فضیلت اعلیٰ سے اعلیٰ محدثین اور بڑے سے بڑے اقطاب اغواث پر مسلم ہے۔ اس کی فضیلت کا مدار محض حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ہی ہے۔

یک زمانہ صحبتِ با اولیا بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اہل اللہ کی صحبت میں اور اُن کی توجہ مبارک سے بعض وقت دل میں ایسی نعمت نصیب ہوتی ہے جو ہزار سال کی عبادت سے بھی نصیب نہیں ہوتی۔ پھر فرمایا

او بچہ! جا اللہ والوں کے پاس، شاید تیری میری زندگی کا رجحان اللہ کی طرف لگ جائے۔

فرمایا ـــــ دین کے دو جزو ہیں۔ ایک علم نبوت اور دوسرا انوار نبوت۔ علم نبوت کتب سے منتقل ہوتے ہیں اور ہم تک پہنچ رہا ہے اور انوار نبوت سے سینوں سے سینوں میں منتقل ہوتے آرہے ہیں

ناریاں مر ناریاں را جاذب اند

نوریاں مر نوریاں را جاذب اند

حکیم الامت مرشد تھانویؒ فرماتے تھے اہل اللہ کی صحبت میں ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ کسی شخص کی طرف نظر کر لیتے ہیں تو وہ شخص باسعادت بن جاتا ہے کیونکہ عارف باللہ کی شان زبان بھی بیان نہیں کر سکتی۔ عارف باللہ کی

کی شان میں فرماتے تھے ؎

اللہ سب کا ایک ہے، اللہ کا کوئی ایک
لاکھوں میں تو کوئی نہیں، اربوں میں جا دیکھ

یہ گودڑی پوش ہمارے خاص بندے ہیں میرے تعلق کی برکت سے ان کا ایک تن لاکھوں انسانوں میں ایک خاص امتیازی شان رکھتا ہے۔

ہاں وہاں ایں دلق پوشاں من اند
صد ہزار اندر ہزاراں یک تن اند

فوید: باز گوازنجد از یاران نجد تا در و دیوار را آری بوجد

میرے نجد کے یار کا تذکرہ بار بار کر تا کہ یہ در و دیوار بھی وجد کرنے لگ جائیں اگر مرشد سے محبت اور تعلق بڑھتا جائے گا تو مرشد کے متعلقین کے ساتھ بھی محبت اور اُنس بڑھتا جائے گا۔ حضرت نانوتوی نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں ایک شخص مسجد میں آیا۔ آپ نے پوچھا تم کون ہو۔ اس نے عرض کیا حضرت! میں نائی ہوں اور گنگوہ سے آیا ہوں۔ آپ نے تمام اوراد، وظائف کردئے گھر لے آئے ہر شخص کو دکھلاتے تھے کہ دیکھو ہمارے مرشد کی جگہ سے آیا ہے اسی طرح اگر حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے پیار آگیا تو پھر حضور ؐ کے صحابہ پیارے، حضور ؐ کی ازواج پیاری، حضور کی زبان مبارک عربی پیاری، پھر نہ صرف مدینہ منورہ پیارا لگے گا بلکہ مدینہ کی گلی کے کتے بھی پیارے لگیں گے۔ حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

یک جاں کہ سعدی کہ دو صد جاں
سازیم فدائے سگِ دربانِ محمد

ایک جاں سعدی کی کیا دو سو جانیں سعدی کی ہوں وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گلی کے کتوں پر قربان کردی جائیں۔ عاشقین کی تو یہ حالت ہوتی ہے۔

پائے سگ بوسید مجنوں خلق گفتہ ایں چہ سود
گفت گاہے گاہے ایں سگ در کوئے لیلیٰ رفتہ بود

کتا آیا، مجنوں کتے کے پاؤں چومنے لگ گیا۔ کسی نے کہا۔ او میاں یہ کیا؟ تو مجنوں نے جواب دیا یہ کتا [illegible] جس میں [illegible] سے گزرتا تھا۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص نے مدینہ منورہ کا رومال پیش کیا۔ آپ نے چومنا شروع کر دیا۔ کسی نے عرض کیا۔ حضرت! یہ رومال تو غیر ممالک سے بن کر آتے ہیں پھر چومنے کی کیا وجہ؟ فرمایا اسے میرے یار کے مدینہ کی ہوا تو سونگھ رکھی ہے۔

جھنگ کے ایک حاجی صاحب نے سنایا ہم اونٹ پر سوار تھے اور مدینہ منورہ جا رہے تھے۔ اسی طرح دو ماں بیٹی بھی ایک الگ اونٹ پر سوار تھیں، اونٹ کرائے کا تھا۔ لڑکی عشقیہ اشعار گاتی تو اونٹ والا ناراض ہو جاتا۔ لڑکی چپ ہو جاتی۔ جب بیرِ علی کے قریب پہنچے تو گنبدِ خضرا نظر آنے لگا۔ اونٹ والے نے فرطِ مسرت سے کہا

ھٰذا روضۃ رسول اللہ۔ وہ دیکھو روضۂ رسولؐ نظر آگیا۔

ماں نے بھی دیکھ لیا۔ لڑکی نے کہا اماں اماں مجھے بھی دکھا، ماں نے روضۂ اطہر کی طرف اشارہ کیا۔ لڑکی ماں سے لپٹ گئی اور آنکھ سے ایسی ٹکٹکی باندھی کہ جان اللہ کے سپرد ہو گئی۔

پھر معلوم ہوا کہ جب یہ لوگ یار کے گنبدِ اطہر کو نہیں دیکھ سکتے تو پھر یار کے ہاں حاضری کیسے دے سکتے ہیں۔
حکیم الامت مرشد پاک تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات سے ثابت ہے کہ ایک شخص پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہاتھ میں تھیکلی بجاتا عشقیہ اشعار گاتا جب مکہ معظمہ پہنچا تو کسی نے کہا اب تو چپ ہو جاؤ یہ مکہ ہے۔ اسی وقت یہ شعر پڑھا۔

چوں رسی بکوئے دلبر بسپار جان مضطر
کہ مبادا بارِ دیگر نہ رسی بدیں تمنا

جب یار کے کوچہ میں آ، تو اپنی لاچار جان کو کوچۂ محبوب پر قربان کر دے شاید پھر کبھی ایسا موقعہ نہ ملے، گرا اور اللہ کے سپرد ہو گیا۔

کوئی کعبہ جاتے ہیں کعبہ کو دیکھنے ؎ کوئی کعبہ جاتے ہیں کعبہ والے کو دیکھنے۔ کوئی مدینہ جاتے ہیں مدینہ کو دیکھنے ؎ کوئی مدینہ جاتے ہیں مدینہ والے کو دیکھنے۔

فرمایا حقیقت حج تو یہ ہے کہ حاجی صاحب کو مکہ معظمہ کی زیارت سے مکی زندگی سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ چڑھ جائے۔ اور مدینہ منورہ کی زیارت سے مدنی زندگی سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ چڑھ جائے۔ پہلے بے نمازی تھا اب نمازی بن جائے پہلے غیر متبع سنت تھا اب متبع سنت ہو گیا۔ پہلے مکاری چالاکی فریب کاری کرتا تھا۔ اب متقی بن گیا تو سمجھ لیں کہ حاجی صاحب کا حج مقبول ہو گیا۔ اگر پہلی اور ادائیگی حج کے بعد والی زندگی میں فرق نہیں آیا اور صرف یہ بلڈنگیں دیکھ کر آیا ہے ——— اکابر کی کتب میں موجود ہے اگر حاجی صاحب کا حج مقبول ہے تو یہ حاجی صاحب چار سو آدمیوں کی ہدایت کا موجب بنے گا۔ اور اگر حج نامقبول ہوا تو ادائیگی حج کے بعد والی زندگی میں فرق نہ آیا تو چار سو آدمیوں کی گمراہی کا موجب بنے گا۔

فرمایا حضرت لاہوری نور اللہ مرقدہ، قاضی احسان احمد شجاع آبادی کی مسجد میں تشریف لائے۔ تو میں حاضر خدمت ہوا۔ حضرت قاضی نے حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو فرمایا۔ حضرت! جس کے لئے آپ تشریف

ہوئے وہ آئے بیٹھے ہیں چنانچہ میں حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو ملا اور اپنے غریب خانہ لے آیا۔

قاضی صاحب مرحوم کی مسجد میں فرمایا۔ "اے شجاع آباد والو! تمہیں اللہ والوں کی حقیقت کیا معلوم؟ ان لوگوں کے جوتوں میں وہ موتی ملتے ہیں جو بادشاہوں کے تاجوں میں بھی نہیں ملتے"

پھر فرمایا :- ہم نے ان اللہ والوں کی جوتوں کی مٹی کے ذروں کو سرمہ بنایا تو ہمیں سب کچھ ملا۔

فرمایا توحید ہے خدا تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی پر نظر و اعتماد نہ رہے ؎

نہ ہم کسی کے نہ کوئی ہمارا ہم سب اسی کے وہی ہمارا

حضرت محمد عمر چشمہ شریف والے جو کوئٹہ سے تین میل مغرب کی طرف چمن کی سڑک پر چشمہ شریف ایک خانقاہ ہے ان کی خدمت میں توحید کی بات ہو رہی تھی۔ میں نے عرض کیا حضرت! دعا کریں میرا خدا ہو جائے۔ آپ نے حیرت کی نگاہ سے دیکھ کر فرمایا۔ ہیں تیرے بہت خدا ہیں! میں نے عرض کیا جی ہاں سائیں۔ اگر ایک دو ہوتے تو کسی کو شام کو منا لیتا کسی کو صبح کو منا لیتا۔ بیوی میری خدا، اولاد میری خدا، نمبردار میرا خدا۔ خواہشاتِ نفسانی میرے خدا۔ قرآن میں نہیں آتا افرءیت من اتخذ الٰھہ ھواہ۔ کیا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے خواہشات نفسانی کو خدا بنا رکھا ہے۔

فرمایا توحید خدا را واحد گفتن کا نام نہیں۔ توحید خدا را واحد بودن یعنی صرف خدا تعالیٰ کی ذات کا ہو جانا غیر کا نہ ہونا توحید ہے۔

فرمایا صوفیاء کو میری یہ نصیحت یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا داروں کی صحبت سے پرہیز کریں ان کی باتیں حضرت جنید بغدادیؒ اور بایزید بسطامیؒ جیسی ہوتی ہیں مگر عمل یزید سے بھی زیادہ بدتر ہوتا ہے۔ ان کی صحبت علماء اور صوفیاء کے لئے زہر قاتل ہے۔

تبلیغ بالتوحید کرنا یہ انبیائی کام ہے۔ میں قطب زمن حضرت فضل علی قریشی مسکین پوری کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا۔ حضرت! تبلیغ تو کر رہا ہوں۔ مگر خلقت تو کھاتی ہے فرمایا بیٹے منہ عالمیں دا بلتے نبی کے وارث ہیں پھر ڈرتے خلقت کی ملامت سے ہیں؟

حوادث و نوازل

جناب نور محمد غفاری ایم اے
بہاولنگر

سماجی اقتصادی انشورنس کی اسلامی تنظیم

انشورنس کا موجودہ نظام

اصل موضوع پر بحث سے قبل آئیے اس قسط میں آپ کو موجودہ نظام انشورنس کا تعارف کراتے ہیں۔ کیونکہ اس کا صحیح فہم موضوع کے سمجھنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔

انشورنس

انشورنس انگریزی زبان کا لفظ ہے جس کا عام فہم ترجمہ بیمہ یا تامین کیا جاتا ہے۔ لیکن انشورنس اپنے اصطلاحی معنوں میں کاروبار کا ایک ایسا طریق کار ہے جس میں بیمہ کی پالیسی خریدنے والے کو اس کے مستقبل کے خطرات کے تحفظ اور غیر متوقع نقصانات کی تلافی کی ضمانت دی جاتی ہے۔ گویا کہ انشورنس کے معنی یقین دہانی، تحفظ اور ضمانت کے ہو سکتے ہیں۔ جو کمپنی (نجی یا سرکاری) اس یقین دہانی کا کاروبار کرتی ہے اُسے انشورنس کمپنی (INSURANCE COMPANY) کہتے ہیں۔ اس کمپنی کا طریق کار یوں بن جاتا ہے کہ اس کے بیمہ دار (POLICY HOLDERS) جتنے بھی ہوں اگر ان میں سے کسی ایک کا نقصان ہو جائے تو سب مل کر اس کی تلافی کرتے ہیں اور یہ تلافی بیمہ داری کی رقم پر حاصل شدہ منافع (یعنی مشترکہ مال پر سود بازی کرنا) سے کمپنی کرتی ہے۔ بیمہ دار کی اصل رقم جو وہ اقساط کی صورت میں جمع کراتا ہے وہ اُسے پوری مع کچھ نفع کے مل جاتی ہے۔ گویا کمپنی ایک کا بار سب پر ڈال دیتی ہے اس طریق کار کی روشنی میں ڈاکٹر مصلح الدین انشورنس کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں :-

"انشورنس کی اصطلاح اپنے حقیقی معنی میں عوام کا ایسا اجتماع ہے جو فرد کے اس بوجھ کو کم کرتے ہیں جو بصورتِ دیگر اس فرد کی تباہی کا موجب بننے گا"[1]

---

[1] DR. MOHAMMAD. MASLEHUDDIN. INSURANCE AND ISLAMIC LAW P. 3.

اسی مفہوم کی تائید میں انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا کا فاضل مقالہ نگار لکھتا ہے:
"انشورنس کا سادہ ترین اور عام فہم تصور ایسی ضمانت ہے جو لوگوں کا ایک ایسا گروہ دیتا ہے جن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی خطرہ میں ہوتا ہے جس کے اثرات قبل از وقوع نہیں جا سکتے کہ ایسا خطرہ جب کبھی واقع ہوگا وہ اس سارے گروہ پر تقسیم کر دیا جائے گا" [ے]

گویا کہ انشورنس کی اصطلاح کی مطلب ایسے خطرات سے تحفظ دینا ہے جو ایک انسان کی زندگی اور اُس کے کاروبار پر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑتے ہیں [ے] اور اگر اس کی مصیبت کو ہمدردی کے جذبے سے بانٹا نہ جائے تو وہ شخص تباہ ہو جائے گا۔

مندرجہ بالا کی روشنی میں ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ انشورنس سے مراد مستقبل کے انجانے خطرات سے تحفظ کی ضمانت ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انشورنس مستقبل کے خطرات سے ضمانت دیتا ہے۔ یا بچاؤ کی تدابیر بھی کرتا ہے؟ اس سلسلہ میں انشورنس کی تعریف کرنے والوں کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔

ایک گروہ اسے مستقبل کے خطرات سے بچاؤ کی تدبیر محض کا نام دیتا ہے جبکہ دوسرا اسے خطرات کے خلاف اہتمام تصور کرتا ہے۔

الغرض انشورنس سے مستقبل کے بعض خطرات سے حفاظت اور نقصانات کی تلافی کی یقین دہانی ہوتی ہے۔ اب خطرات اور نقصانات مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں، بعض معمولی قسم کے ہوتے ہیں جن کا ایک فرد یا چند افراد مل کر مقابلہ کر سکتے ہیں۔ مگر بعض نقصانات اور خطرات نہایت مہیب قسم کے ہوتے ہیں۔ جن کا مقابلہ کرنے کے لیے اجتماعی صورت اختیار کرنی پڑتی ہے۔ ایسی ہی اجتماعی صورت کا نام انشورنس کمپنی ہے۔

گویا تلافی حوادث کے لیے نظام تعاون کی ضرورت ہے جو اجتماعی پس اندازیوں سے وجود میں آتا ہے۔ انشورنس کمپنی نجی بھی ہو سکتی ہے اور سرکاری بھی۔ مگر آج کل دنیا کے اکثر ممالک میں یہ کام حکومت سرانجام دیتی ہے۔

ے ‌INSURANCE IN INCYCLOPADIA OF BRITANICA (ELEVENTH EDITION) VAL 14, P. 656

ے MARGAN (ED) PORTER OF LAWS OF INSURANCE, P-1.

طریق کار ایک معاہدہ کے تحت جو انشورنس کمپنی اور طالب انشورنس کے درمیان طے پاتا ہے۔ انشورنس کمپنی (جس میں بہت سے سرمایہ دار شریک ہوتے ہیں اسی طرح جس طرح تجارتی کمپنیاں ہوتی ہیں) بیمہ کے طالب سے ایک معینہ رقم جس کا تعین بیمہ کی جانے والی شئے کی نوعیت، مالیت، نقصانات اور خطرات کے متعلق سابقہ تجربات، بیمہ کمپنی کے دفتری اخراجات اور متوقع نفع سے ہوتا ہے[۱] اور ایک معینہ مدت کے بعد وہ رقم اُسے یا اس کے ورثاء کو حسب شرائط واپس مل جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کمپنی ایک مقررہ شرح کے حساب سے اصل رقم کے ساتھ مزید رقم بطور سود دیتی ہے جس کا نام کمپنی کی اصطلاح میں سود نہیں بلکہ بونس (BONUS) یعنی منافع رکھا گیا ہے۔

بیمہ کمپنی اس طرح مجتمع رقوم کو سرمایہ کاری میں لگاتی ہے یا کسی فرد کو بطور قرض دے کر سُود کھاتی ہے اور اس طرح جو کثیر آمدنی کمپنی کو حاصل ہوتی ہے اس رقم کا بیشتر حصہ انشورنس کمپنی والے اپنی رقم خرچ کئے بغیر اپنے مصرف میں لاتے ہیں۔ اور ایک قلیل حصہ بیمہ دار (POLICY HOLDERS) کو دیا جاتا ہے۔

اقسام یوں تو انشورنس کی متعدد اقسام ہیں جن میں آئے دن اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ جن کا مفصل بیان ہمارا موضوع مقالہ نہیں ہے محض تعارف کے طور پر ان تمام اقسام کو ہم مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت ذکر کرتے ہیں:۔

(۱) زندگی کا بیمہ

(۲) جائداد کا بیمہ

(۳) ذمہ داریوں کا بیمہ

(۴) کاغذات، سندات اور نوٹوں کا بیمہ۔

۱۔ زندگی کا بیمہ (LIFE INSURANCE) اس کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ بیمہ کمپنی بیمہ کمپنی کرانے والے کا اپنے ڈاکٹر کے ذریعہ معائنہ کراتی ہے۔ ڈاکٹر اس کی جسمانی ساخت اور صحت دیکھ کر یہ اندازہ کرتا ہے کہ اگر کوئی ناگہانی مصیبت پیش نہ آئے تو یہ شخص اتنی مدت (فرض کیا ۵۰ سال) تک زندہ رہ سکتا ہے۔ ڈاکٹر کی اس رپورٹ پر کمپنی اس شخص کا ۵۰ سال کا ایک خاص رقم پر ـــــ جو بیمہ کرانے والے

---

[۱] PERSTON AND COLINVOX, THE LOWS OF INSURANCE. P. 114

کی امارت یا غربت اور ذرائع آمدنی کے حساب سے تقرر کی جاتی ہے، پر اس کا بیمہ کر لیتی ہے۔

وہ شخص اس رقم کو بالاقساط ادا کرتا ہے۔ جب وہ رقم پُورے طور پر ادا کر دیتا ہے تو اس کا بیمہ مکمل ہو جاتا ہے۔ اگر بیمہ کرانے والا اس مُدت تک زندہ رہتا ہے جس کا بیمہ کمپنی کا ڈاکٹر اندازہ کرتا ہے۔ اور اپنی اقساط پوری کر کے انتقال کر جاتا ہے تو کمپنی اس کے پسماندگان میں سے جسے وہ نامزد کرتا ہے یا نامزد نہیں کرتا تو اس کے قانونی ورثاء کو وہ رقم مع کچھ سُود کے دے دیتی ہے اور اگر وہ شخص کمپنی کے ڈاکٹر کی اندازہ کردہ (۵۰) سال عمر سے پہلے ہی دار بقا کی طرف رخت سفر باندھ لیتا ہے خواہ وہ کسی حادثہ کی وجہ سے یا اپنی طبعی موت سے تو انشورنس کمپنی اس کے ورثاء کو وہ رقم مع کچھ سُود کے واپس کر دیتی ہے۔ مگر اس صُورت میں شرح منافع زیادہ ہوتی ہے۔

ایک تیسری صُورت بھی ہے۔ اگر بیمہ کرانے والا اس معینہ مدت (۵۰ سال) کے بعد بھی زندہ رہتا ہے تو اسے اس کی وہ جمع شدہ رقم مع سود واپس مل جاتی ہے۔ مگر اِس صُورت میں شرح سود کم ہوتی ہے۔

اعضاء کا بیمہ | لائف انشورنس تو پُورے جسم کا بیمہ ہوتا ہے۔ مگر اس کے علاوہ اعضاء کے بیمہ کا رواج بھی چل نکلا ہے۔ مثلاً ٹانگوں کا بیمہ، انگلیوں کا بیمہ وغیرہ۔ اس کا طریق کار اور شرائط وغیرہ وہی ہیں جو لائف انشورنس میں مذکور ہیں۔[۳]

۲۔ جائداد کا بیمہ (PROPERTY INSURANCE)

بیمہ کی دوسری قسم جائداد کا بیمہ ہے۔ مثلاً مکان، کارخانہ، ہوائی اور بحری جہاز اور موٹر گاڑی وغیرہ کا بیمہ کیا جاتا ہے۔ اور اس کا طریق کار یہ ہے کہ کمپنی کے انجینئرز (ENGINEERS) اس جائداد کا بغور جائزہ لے کر یہ اندازہ کرتے ہیں کہ اگر کوئی غیر متوقع (UNEXPECTED) واقعہ پیش نہ آئے تو وہ جائداد اتنے مدت تک باقی رہ سکتی ہے۔ پھر ایک مخصوص رقم پر جو عموماً جائداد کی مالیت اور پائیداری کے مطابق

---

[۳] CHESHIER AND FIFOOT, LOW OF CONTRACT - P. 497

[۴] CHESHIER AND FIFOOT LOW OF CONTRACT P. 497

اس کا بیمہ کیا جاتا ہے[6] ۔ بیمہ کا طالب یہ مقررہ رقم مقررہ اقساط کے ذریعے مقررہ مدت میں ادا کرتا ہے ۔ اگر وہ بیمہ شدہ جائداد کسی حادثہ سے تلف ہو جائے مثلاً جہاز کی غرقابی ، کارخانہ کا جل جانا موٹر سائیکل وغیرہ کا حادثے میں تباہ ہو جانا تو انشورنس کمپنی اس نقصان کی تلافی کرتی ہے اور مقررہ رقم مع کچھ بونس (سود) کے ادا کرتی ہے ۔ اور اگر وہ جائداد بیمہ مکمل ہونے کے بعد تک برقرار رہے تو بھی انشورنس کمپنی جمع شدہ رقم مع کچھ سود کے واپس کر دیتی ہے ۔

۳۔ فرائض کا بیمہ ۔ (LIABILITIES, INSURANCE) اس میں بچوں کی تعلیم شادی اور دیگر فرائض کا بیمہ ہوتا ہے ۔ کمپنی ان کاموں کی ذمہ داری لیتی ہے ۔ رقم کا تعین ، اقساط کی ادائیگی اور رقم کی وصولی کے لیے طریق کار وہی ہے جو لائف انشورنس میں مذکور ہے ۔

۴۔ قیمتی کاغذات اور اشیاء کا بیمہ انشورنس کمپنی بیمہ دار (POLICY HOLDER) کی ان قیمتی اشیاء کی حفاظت کی ضمانت دیتی ہے ۔ اس میں شرائط بیمہ وہی ہیں جو جائیداد کے بیمہ کی ہیں ۔ ممکن ہے کہ چند اور اقسام بھی ہوں مگر تعارف کے لیے اتنا کافی ہے ۔

انشورنس کی چند شرائط

انشورنس کی طریق کار کی مزید وضاحت کے لیے اس کی چند شرائط کا ذکر ضروری ہے ۔

۱۔ بیمہ دار کو دو سال تک متواتر اقساط ادا کرنے پر اس اہل سمجھا جاتا ہے کہ کم شرح سود پر انشورنس کمپنی اُسے قرضہ دے ۔

۲۔ اگر کوئی شخص سود نہ لینا چاہے تو انشورنس کمپنی اسے مجبور نہیں کرتی کہ وہ ایسا کرے اور اسے اس کی رقم مقررہ شرائط پر واپس مل جاتی ہے ۔

۳۔ بیمہ دار کو ایک مقررہ رقم بالاقساط ادا کرنی پڑتی ہے جسے پریمیم (PREMIUM) کہتے ہیں ۔ اگر بیمہ دار چند اقساط ادا کرنے کے بعد ادائیگی بند کر دے تو اس کی جمع شدہ رقم سوخت ہو جاتی ہے ۔ لیکن کمپنی اُسے اتنی اجازت دیتی ہے کہ اگر وہ چاہے تو درمیانی اقساط ادا کرنے

---

[6] CHESHIER AND FIFOOT LAW OF CONTRACT. P. 497

کے بعد دوبارہ بیمہ دار بن سکتا ہے ۔

بعض شرائط ایسی بھی ہیں کہ اگر وہ درمیان والی اقساط ادا نہ کرے تب بھی نئے سرے سے اقساط کا سلسلہ جاری کر کے وہ بیمہ دار بن سکتا ہے ۔ اگر وہ اقساط کی ادائیگی بند کر کے رقم واپس لینے کا مطالبہ کرے تو ایسا ممکن نہیں ۔[۵]

انشورنس کی ضرورت

یہ وہ دلائل ہیں جو بیمہ کمپنی کے وکلاء پیش کرتے ہیں : ۔

۱ ۔ انشورنس کا جذبہ انسانی فطرت میں ہے ۔ ہر انسان چاہتا ہے کہ اس کا مستقبل محفوظ ہو ۔ دُنیا جائے عبرت ہے ۔ یہاں روزانہ بیسیوں ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں جو انسان کو چوکنا کر دیتے ہیں ۔ اور غیر متوقع حالات اور واقعات کے مقابلے میں ابن آدم کی بے بسی کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ خود حضرت انسان کی ۔ اس کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ یہ مستقبل اور بالخصوص ایسے واقعات کے متعلق بالکل بے بس ہے جو اس کی زندگی میں انقلاب پیدا کر سکتے ہیں ۔[۶]

" وما تدری نفسٌ ماذا تکسب غداً و ما تدری نفسٌ بایّ ارضٍ تموت ۔"

" کوئی نفس یہ نہیں جانتا کہ کل اس کے ساتھ کیا واقعہ پیش آئے گا اور نہ ہی کسی نفس کو یہ خبر ہے کہ اسے کس سرزمین میں موت آئے گی ؟ "

مگر یہ مٹی کا بنا ہوا کمزور انسان اپنے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں مستقبل کے خطرات کا تحفظ کرتا ہے اور ایسا کرنا اس کی فطرت میں شامل ہے ۔ بارشں سے بچاؤ کے لیے مکان کی تعمیر، سردی کے ٹھنڈک سے بچنے کے لیے گرم کپڑوں کی تیاری، حادثات سے بچنے کے لیے چوراہوں پر انتباہی نشانات کی تنصیب، چوروں سے بچنے کے لیے بلند و پختہ عمارات کی تعمیر ۔ بُرے دنوں میں باعزت زندگی گزارنے کے لیے پس اندازی کا سودا ، موت کے بعد پسماندگان کے فقر کے ڈر سے انہیں متمول چھوڑنے کا داعیہ وغیرہ ۔ اس امر کے شاہد ہیں کہ انسانی مستقبل کے خطرات کا کس قدر تحفظ چاہتا ہے ۔ انشورنس کمپنی اسی انسانی فطرت کا

---

[۵] مولانا محمد اسحاق سندیلوی ، بیمہ پر مرتب سوالنامہ ۔ ص ۔ ۳ ۔ ۴ ۔

[۶] لقمان ۳۴

جواب ہیں ۔

۲۔ اوسط طبقہ کے لوگ جو کثیر العیال بھی ہوں اگر ناگہانی طریقہ سے وفات پا جائیں تو اُن کے پسماندگان سخت پریشانی میں مُبتلا ہو جاتے ہیں ۔ چُونکہ ایسے اشخاص کی اتنی آمدنی نہیں ہوتی کہ وہ اتنی وراثت چھوڑ سکیں جو اُن کی موت کے بعد ان کے ورثاء کی کفالت کر سکے ۔ لہٰذا اگر ایسے حضرات بیمہ کمپنی کے بیمہ دار ہوں تو ان کی اولاد کو سہارا مل سکتا ہے اور ان کی تعلیم وغیرہ کا سلسلہ بھی منقطع نہیں ہوتا ہے ۔ بصورتِ دیگر جو پریشانیاں برداشت کرنا پڑتی ہیں ان کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں اُن کا تجربہ ہو اور مشاہدہ بھی بہت اچھا استاد ہے ۔

۳۔ اولاد کے ناہنجار ہونے کی صُورت میں بیمہ دار کو بڑھاپے میں خاصی طمانیت قلب نصیب ہوتی ہے اور غمِ روزگار سے نجات مل جاتی ہے ۔

۴۔ بدبخت اولاد اگر والد کی وفات کے بعد اپنی والدہ محترمہ کی خدمت سے غفلت برتے یا اس کا شرعی حق میراث ضبط کرے اور باپ کی کُل جائیداد پر قابض ہو جائے تو اس غریب بیوہ کی زندگی کانٹوں کا بستر بن جاتی ہے ۔ لیکن اگر خاوند نے اس کے نام بیمہ پالیسی خریدی ہو تو اس بے چاری کے بقیہ ایام مستعار باعزت گزر جائیں گے ۔

۵۔ صاحب فراست باپ اپنی اولاد کی حرکت سے اندازہ لگا سکتا ہے کہ اگر ان میں تحاسد اور تباغض ہو جب کہ بعض ان میں صغر سن اور کم سن ہوں اور یہ خطرہ ہو کہ آئندہ بڑے چھوٹوں کے حقوق غصب کریں گے تو ایسی صُورت میں چھوٹی اولاد کے لیے بیمہ کمپنی کی پالیسی خرید لینا نہایت مُفید ہو گا ۔

۶۔ بعض ممالک جہاں مسلم غیر مسلموں کے ساتھ رہتے ہیں وہاں مذہب اور نظریہ کے نام پر بلوے اور ہنگامے ، جو گھیراؤ اور جلاؤ تک پہنچ جاتے ہیں روزانہ کا معمول بن چکے ہیں اور جس کا نتیجہ لاکھوں کی جائداد کا راکھ کا ڈھیر بننے کی صُورت میں نمودار ہوتا ہے ایسے ممالک میں مُسلمان اگر اپنی املاک کا بیمہ کرا لیں تو مفید ہو گا ۔

۷۔ سائنسی ایجادات کا فروغ جو اپنی بہت سی برکات کے جلو میں بہت سے مفاسد بھی لے کر آیا ہے ۔ اس تیز رفتاری کے دَور میں حادثات روزانہ کا معمول بن چکے ہیں اور اس کثرت سے ہوتے ہیں کہ آج سے چالیس سال قبل ان کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا تھا ۔ ایسے حالات میں اگر اپنی جائیداد کا بیمہ کرایا جائے تو نقصانات جو کسی خوشحال کو قلاش بنا کر چھوڑ دیتے ہیں ، کی تلافی ہو جاتی ہے ۔

انشورنس کا آغاز و انجام

یہ بیمہ کا کاروبار جو آج کل خود غرضی، جوا، سٹہ، مذموم سرمایہ داری اور دھوکہ دہی کی صورت اختیار کرکے سامنے آیا ہے اور جسے مغرب کا نظام فلاح اور خیر خواہی سمجھ کر یہ نسلیں قبول کر رہی ہیں اور اس کے دام فریب میں غول کے غول اپنے پیروں چل کر آ پڑ رہی ہیں۔ اس کے اصل بانی و مؤسس عرب مسلمان تھے۔[۱] جنہوں نے اس کی بُنیاد انشورنس کی غلاظتوں سے پاک محض باہمی ہمدردی اور مستقبل کے خطرات سے تحفظ اور نقصانات کی تلافی پر رکھی تھی۔ بحری تجارت میں حصہ لینے والے مسلمانوں نے تجارتی بیمہ کی طرح ڈالی۔ ابتداء میں اس کی شکل سادہ تھی۔ مگر بعد کے ادوار میں اس کی شکلیں بدلتی گئیں جو اپنے جلو میں کچھ مفاسد بھی لائیں الفریڈ مینز (ALFRED MENS) نے انشورنس کے تاریخی ارتقاء پر بحث کرتے ہوئے انشورنس کی تین ارتقائی صورتیں، امداد باہمی، سرمایہ داری اور سرکاری بیمہ، متعین کی ہیں۔ اور ان کی ارتقائی تواریخ بھی الگ الگ مقرر کی ہیں۔ جہاں تک انشورنس بحیثیت امداد باہمی کا تعلق ہے اس سلسلہ میں انہوں نے کسی سن وغیرہ کا ذکر نہیں کیا۔ صرف اتنا ہی کہتے ہیں کہ انشورنس کی اس قسم کے محرکات ماضی میں ویسے ہی تھے جیسے آج کل پائے جاتے ہیں۔ یعنی باہمی ہمدردی (شاید یہ وہی طریق ہے جس کا آغاز اندلس کے عرب مسلمانوں نے کیا تھا)

انشورنس کی سرمایہ دارانہ قسم (CAPITALISTIC TYPE OF INSURANCE)

اس قسم کا آغاز بحری بیمہ (MARINE INSURANCE) سے ہوا جس کی ابتداء رُومیوں نے کی جس کا مقصد تجارت اور نفع اندوزی تھا۔ آگ کے بیمہ کا آغاز ۱۴ ویں صدی عیسوی میں نجی کاروبار کی حیثیت سے ہوا۔ بعد میں سرکاری اور نجی دونوں صورتوں میں قائم رہا۔ جس نے ۱۸۰۰ء میں وسیع سرمایہ کاری کی شکل اختیار کر لی۔

۱۶۶۸ء میں پیرس میں جہاز بیمہ کمپنی کی ابتداء ہوئی۔ انگلینڈ میں ۱۷۲۰ء میں ایسی کمپنیوں کے کاروبار شروع ہوئے۔ ۱۷۶۵ء میں جرمنی میں اس قسم کی انشورنس کمپنیوں کا آغاز ہوا۔ اسی سال برلن میں ایسی کمپنیاں قائم کی گئیں۔ حادثات کے بیمہ کا رواج ۱۸۴۵ء میں ذمہ داریوں کے بیمہ کا آغاز

---

[۱] S.P. SCHACHT: HISTORY OF MOORISH EMPIRE IN EUROPE. P ۴۰۰

۱۸۶۷ء میں ہوا۔ جہاں تک لائف انشورنس کی موجودہ شکل و صورت کا تعلق ہے۔ یہ بحری جہازوں کے بیمہ کے تقریباً ایک سو سال بعد قائم ہوئی۔ اس تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ لائف انشورنس کے لیے سائنسی بنیادوں کی ضرورت تھی۔[۱۵] جہاں تک اسلامی ممالک میں اس کے رواج کی تاریخ کا تعلق ہے[۱۶] تو "ردالمحتار" اسلامی فقہ کی پہلی کتاب ہے جس میں انشورنس کے متعلق احکامات ملتے ہیں۔ اس کتاب کا زمانہ تیرہویں صدی ہجری بمطابق ۱۸۰۰ء کا ہے۔ اس دور کے مشہور فقیہ ابن عابدینؒ تحریر فرماتے ہیں:

"اور ہماری اس تقریر سے اس سوال کا جواب بھی ظاہر ہوگا جس کے بارے میں آج کل کثرت سے سوالات کئے جارہے ہیں اب طریقہ یہ ہوگیا ہے کہ تاجر جب کسی حربی سے کوئی بحری جہاز کرایہ پر لیتے ہیں تو اس کا کرایہ ادا کرنے کے ساتھ ہی ساتھ دارالحرب کے کسی باشندے کو جو اپنے علاقہ میں مقیم رہتا ہے کچھ رقم اس شرط پر دے دیتے ہیں کہ جہاز میں لدے ہوئے مال کی آتش زدگی، غرقابی اور لوٹ مار ہو جانے کی صورت میں یہ شخص مال کا ضامن ہوگا اور جو رقم اس شخص کو اس خطرہ کی پیش بندی کے عوض کے طور پر دی جاتی ہے۔ اُسے سوکرہ (بیمہ کی رقم) کہتے ہیں اس کا ایجنٹ ہمارے ملک کے ساحلی شہروں میں شاہی اجازت نامہ لے کر مستاعن بن کر رہتا ہے۔ جو تاجروں سے بیمہ کی رقم وصول کرتا ہے اور مال کے تلف ہو جانے کی صورت میں انہیں پورا پورا معاوضہ دیتا ہے۔"[۱۷]

یہ آلِ عثمان کا دور تھا اور بیمہ کمپنیوں کا عمل دخل ترکی کی حکومت میں جاری تھا۔ یورپی ممالک سے جو جہاز ترکی آتے تھے ان کا بیمہ لازمی کرایا جاتا تھا اور ایجنٹ ترکی کے ساحلی شہروں میں حکومت کی باقاعدہ اجازت سے رہتے تھے اور بیمہ کا کاروبار کرتے تھے۔

---

[۱۵] ALFRED MENS, ENCYCLOPAEDIA OF SOCIAL SCIENCES CHAPTER ON, INSURANCE VOL 7. PP, 97, 98 —

[۱۶] ہماری یہاں مراد بیمہ کی موجودہ شکل سے ہے۔

[۱۷] ردالمختار۔ باب المستامن، جلد ۳۔ ص ۲۴۵۔ بحوالہ مولانا مفتی ولی حسن بیمہ زندگی۔ ص ۳۲، ۳۳

EAGLE
IRIDIUM
مختلف رنگوں اور ڈیزائنوں میں پاکستان کے علاوہ
بلکہ دیگر ۵ سے زائد ملکوں میں بھی دستیاب ہے
ایگل ایک عالمگیر قلم
مینوفیکچررز
آزاد فرینڈز اینڈ کمپنی لمیٹڈ
سول ایجنٹس
سلطان شاہ اینڈ کمپنی

دلکش
دلنشیں
دلفریب
حسین کے
پارچہ جات
حسین کے خوبصورت پارچہ جات
نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں
بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی
نکھارتے ہیں۔
ہر دور کے موسم کیلئے
موزوں، حسین کے پارچہ جات
شہر کی ہر بڑی دکان پر
دستیاب ہیں۔
خوش پوشی کے پیش رو
حسین ٹیکسٹائل ملز
حسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
کا ایک ڈویژن

پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
سہراب

جناب خسروی صاحب۔ کراچی

مراۃ الانساب

کا

ایک نادر قلمی نسخہ

ہمارے گمشدہ خزانے

محمد عبدالواجد علی خان، خلیفۂ مجاز حضرت صباء معصوم نقشبندی مجددی، رئیس بڈھانی (ضلع بلند شہر۔ یوپی)
جاگیردار ٹھکانہ جگر (نظامت پنڈون، ریاست جے پور) جب بار بار کے مسلسل اصرار کے بعد آخر کار ریاست جے پور کی سپریم
جوڈیشیل کونسل کی ممبری سے سبکدوشی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے تو تیسری بار حج کے سفر کی عزیمت کر لی۔ کیونکہ
کچھ عرصہ قبل ہی یکم ستمبر ۱۹۰۸ء کو حجاز ریلوے کا افتتاح ہو چکا تھا اس لیے ارادہ یہ ہو گیا کہ اس بار مدینۂ منورہ میں حاضری
اور سعادتِ حج حاصل کرنے سے پہلے عراق و شام وغیرہ میں مقاماتِ مقدسہ کی زیارت سے بھی مشرف ہو جاتے چنانچہ۔
ایامِ حج سے گیارہ ماہ قبل ہی، ۷ محرم ۱۳۲۷ھ (۳۰ جنوری ۱۹۰۹ء) کو اپنے بہت سے متعلقین و متوسلین و احباب کو (اپنے
خرچ پر) ساتھ لے کر جے پور سے نکل کھڑے ہوتے اور بمبئی سے جرمن جہاز "بلڈ دنیا" پر سوار ہو کر عدن، پورٹ سعید اور
یافا ہوتے ہوئے ۲ اپریل ۱۹۰۹ء (۱۱ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ) کو بیت المقدس پہنچ گئے۔ جہاں ان دنوں باوجود شدید
سردی کے بڑا اجتماع تھا، کیونکہ وہی زمانہ عیسائیوں کے مذہبی اجتماع کا بھی تھا اور یہودی بھی حضرت موسےٰ علیہ السلام کا
جشنِ ولادت منانے کے لیے ہر طرف سے آئے ہوئے تھے۔

۳۰ اپریل ۱۹۰۹ء تک اس علاقہ میں رہ کر انبیائے کرام، حضرت نوحؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت موسےٰؑ،
حضرت عزیزؑ، حضرت یونسؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت مریمؑ (حضرت راحلہؑ
(والدہ حضرت یوسفؑ) اور حضرت یعقوبؑ کی والدہ ماجدہ اور اصحاب رسول اللہ، حضرت ابوعبداللہؓ، حضرت عکاشہؓ،
حضرت سلمان فارسیؓ اور اولیائے کبار حضرت ابراہیمؒ بن ادھم و حضرت شبلیؒ کے مزارات مقدسہ اور کوہِ طور سینا اور
قید خانۂ حضرت عیسےٰؑ کی زیارت کی۔ اس کے بعد خلیل الرحمان سے تقریباً دو کوس پر حضرت لوطؑ کے مزار اور پھر دیگر زیارتوں
کا ارادہ تھا کہ رات دس بجے سلطان عبدالحمید کی معزولی اور سلطان محمد رشاد خامس کی سربراہی کا اعلان ہوا۔ لہٰذا اس
اندیشہ کی بناء پر کہ نہ جانے اس انقلاب سے کیا بدامنی پیدا ہو جس کے نتیجے میں راستے مخدوش ہو جائیں یا حجاز
ریلوے بند ہو جائے، مزید زیارتوں کا ارادہ ملتوی کر دیا اور یکم مئی ۱۹۰۹ء کو نابلس بلیسان کے اسٹیشن سے ریل
میں سوار ہو کر دمشق پہنچ گئے جہاں دیگر انبیاء کرام حضرت ذوالکفلؑ و یحییٰؑ اور صحابۂ عظام حضرت بلالؓ، عبداللہ بن
کلثومؓ، جعفر طیارؓ، ابوہریرہؓ، معاویہؓ، مساعدؓ اور ہریمؓ اور امہات المومنین حضرت ام حبیبہؓ و ام سلمہؓ اور افرادِ

زیارات رسول اللہ، حضرت سکینہ بنت حسینؓ، حضرت زینب بنت علیؓ اور عبداللہ بن زین العابدینؓ اور اولیائے کبار، حضرت بہلولؒ دانا، شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ، خالد کردی، عبدالغنی نابلسیؒ و اسماعیلؒ کردی اور سر مبارک حضرت حسین بن علیؓ کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ دمشق سے روانہ ہوکر ۷ ارمئی ۱۹۰۹ء کو مدینہ منورہ پہنچے، جہاں ۲۳ ر شوال ۱۳۲۷ھ تک قیام کرکے مکہ مکرمہ تک آئے، جہاں تیسری بار حج کی سعادت حاصل کرکے ہندوستان کے سفر پر روانہ ہوگئے ۱۸ اپریل ۱۹۱۰ء کو سوا چودہ مہینے بعد جے پور واپس پہنچ گئے۔

مدینہ منورہ کے دوران قیام میں ان کی ملاقات حسن اتفاق سے حاجی محمد اسماعیل بخاری خوش نویس سے ہوئی جو وہاں کتب خانۂ سلطانی میں شعبۂ مخطوطات کے انچارج تھے۔ کتب خانہ میں ایک مستند و مکمل شجرہ حضرت آدمؑ سے سرکار دو عالمؐ تک کا موجود تھا، جس کی نقل بخاری صاحب نے اپنے لیے کر رکھی تھی اس کا ذکر انہوں نے واجد علی خان سے کیا تو موخر الذکر نے کمال اشتیاق ظاہر کرکے اس کی ایک نقل جلد از جلد عطا کرنے کی بہ اصرار درخواست کی، کیونکہ معاؤنگی میں تھوڑے ہی دن رہ گئے تھے۔ بخاری صاحب نے شب و روز محنت کرکے صرف تین دن میں اس کی ایک انتہائی خوشخط نقل بہتر فٹ طویل کاغذ پر کرکے اور اس کا مقابلہ کتب خانہ کے اصل شجرہ سے کرکے واجد علی خان کے حوالہ کردی۔ جو اسے جے پور لے آئے، جہاں آکر انہیں خیال ہوا کہ اس شجرہ نبیؐ کے ساتھ دیگر انبیائے کرام و اصحاب نبویؐ و اولیائے کبار و علمائے عظام اور ہندوستان و دیگر قریبی ممالک کے مقتدر مسلمانوں کے سلاسل انساب بھی اس میں شامل کیے جائیں اور آخر میں بطور ضمیمہ خود اپنے (لال خانی راجپوت) خاندان کا شجرہ بھی لکھ دیا جائے۔ چنانچہ اس مہم پر مولوی سید عبدالقادر ٹونکی اور مولوی حاجی ضیاء الدین احمد امروہی کو اپنا مستقل مہمان رکھ کر مامور کردیا۔

حسن اتفاق سے اسی زمانہ میں بخاری صاحب مذکور بھی مدینہ منورہ سے ہندوستان کی طرف سیاحت کو تشریف لائے، اور جے پور میں کافی طویل عرصہ واجد علی خان کے مہمان رہے، جن سے اس سلسلہ میں کافی مدد ملی، کیونکہ ان کی یادداشت بہت قوی تھی اور ان کے ذہن میں بہت سے مشہور سلاسل جو مدینہ منورہ کے شاہی کتب خانہ میں تھے تقریباً محفوظ تھے۔ مولوی سید عبدالقادر ٹونکی تو کچھ عرصہ کے بعد ملازم ہوکر بنگال روانہ ہوگئے اور بخاری صاحب بھی واپس مدینہ منورہ چلے گئے، لہٰذا انتہا مولوی حاجی ضیاء الدین احمد امروہی نے رات دن کی جانفشانی اور دقتِ نظر سے مطلوبہ تمام سلاسل کو تاریخ و احادیث و سیر کی مذکورہ ذیل بہتر (۷۲) کتابوں سے تحقیق و تدقیق کرکے ۳۰ ر اپریل ۱۹۱۷ء کو (تقریباً سات سال کی محنت کے بعد) مکمل کرلیا اور اس مجموعۂ سلاسل کا نام "مراۃ الانساب" رکھا گیا۔ اس میں مجموعی طور پر چار ہزار پچپن (۴۰۵۵) سلاسل ہیں، جن میں سے اٹھاون (۵۸) انبیائے کرام کے، چھیانوے (۹۶) خلفائے راشدین و صحابۂ کرام کے، ستاون (۵۷) امہات المومنینؓ و صحابیات کبریٰ کے، ایک سو ستر (۱۷۰) مشاہیر بزرگان دین اولیاء و علماء کے اور باقی تین ہزار چھ سو چوہتر (۳۶۷۴) ہندوستان و ایران اور افغانستان و ترکی اور بلاد عرب کے دیگر معروف و مشہور دنیاوی یا دینی وجاہت رکھنے والا

خاندانوں اور خان وادوں کے ہیں ۔ اس کی تدوین و تصدیق کے لیے جن بہتر (۷۲) ماٰخذ سے استفادہ کیا گیا
اُن کے نام یہ ہیں :۔

(۱) صحیح بخاری (۲) تفسیر کبیر (۳) تفسیر ابن السعود (۴) مواہب لدنیہ (۵) تفسیر قادری (۶) سیرۃ الحلبی (۷)
تاریخ الخلفاء (۸) اصابہ فی تمیز الصحابہ (۹) مکتوبات امام ربانی (۱۰) تاریخ کامل ابن کثیر (۱۱) تاریخ ابن خلدون (۱۲)
مروج الذہب (۱۳) معادن الجواہر (۱۴) سبائک الذہب (۱۵) روضۃ الاحباب (۱۶) روضۃ الاصفیا (۱۷) خصائل الکبریٰ
(۱۸) نشر الطیب (۱۹) سیر الحبیب (۲۰) سرور المخزون (۲۱) انوار الاذکیا (۲۲) تاریخ عالم (۲۳) نفحات الانس (۲۴)
آداب المریدین (۲۵) جواہر فریدی (۲۶) فلاح (۲۷) ابن خلکان (۲۸) ترجمہ ابن خلدون (۲۹) تاریخ اسلام (۳۰)
قرۃ العیون شرح سرور المحزون (۳۱) ناسخ التواریخ (۳۲) بخشۃ التواریخ (۳۳) تاریخ افغانستان (۳۴) امیر نامہ (۳۵)
تاریخ بھوپال (۳۶) صولت افغانی (۳۷) اکبر نامہ (۳۸) آئین اکبری (۳۹) حدائق الحنفیہ (۴۰) نسب نامہ انصاریان۔
(۴۱) تاریخ روم (۴۲) احوال علمائے فرنگی محل (۴۳) عمدۃ الطالب (۴۴) طبقات ناصری (۴۵) سیر النبیؐ (۴۶) شجر العالم ۔
(۴۷) عرائس القصص (۴۸) سر الشہادتین (۵۰) جوامع الحکایات (۵۱) بحر الانساب (۵۲) کنز الانساب (۵۳)
خلاصۃ التواریخ قلمی (۵۴) شجرہ قلمی، مدینہ منورہ جو اس کتاب کی وجہ تالیف ہے (۵۵) فصول مسعودیہ (۵۶) مقامات سعدیہ
(۵۷) ترغیب الترہیب (۵۸) مشکوٰۃ المصابیح (۵۹) سید الاقطاب (۶۰) تیسیر شرح جامع صغیر (۶۱) مدارج الولایت
(۶۲) منتخب التواریخ (۶۳) مراۃ المداری (۶۴) سید المشائخ (۶۵) تاریخ دکن (۶۶) اسراریہ (۶۷) مقاصد العارفین۔
(۶۸) اشرف نامہ (۶۹) تاریخ بلند شہر (۷۰) مرقع قنبعن (۷۱) تاریخ راجستھان از ٹاڈ (۷۲) تاریخ برن ۔

اس کتاب کی تدوین و تحریر کے لیے واجد علی خان نے ۷ /اپریل ۱۹۱۰ء سے ۳۰ /اپریل ۱۹۱۷ء تک مولوی ضیاءالدین
احمد مرہوی کو وقتاً فوقتاً مہینوں اپنا مہمان رکھ کر ان کے جملہ مصارف بھی برداشت کئے اور انہیں تحقیق و تدقیق کے
سلسلہ میں ہندوستان بھر کے مختلف کتب خانوں میں جہاں جہاں جانا پڑا اُس کے اخراجات بھی ۔ جو ماہانہ رقم سات سال تک
بطور حق المحنت دیتے رہے وہ الگ ہے ۔ تکمیل تحریر کے بعد اس کی کتاب کے لیے جے پور کے بہترین و گراں ترین خوش نویس
خطاط محمد عبدالرحیم (سابق پروفیسر اسلامی یونیورسٹی بہاولپور و حال مجلس دعوت تحقیق اسلامی، کراچی سے منسلک مولوی صاحب
عبدالرشید نعمانی کے والد گرامی مرحوم) کی خدمات حاصل کی گئیں اور اُن ہی کے "مطبع رحیمی" واقع ترپولیہ بازار، جے پور
میں ایک سو اٹھاسی (۱۸۸) صفحات میں جہازی سائز دبیز حنائی اور گلابی کاغذ پر طبع کرائی ۔ مولوی معین الدین اجمیری
نے اپنی کتاب "حیوٰۃ طیبہ" (جو واجد علیخان کا تذکرہ ہے) میں تحریر کیا ہے کہ "مراۃ الانساب" کی طباعت پر تقریباً
دو ہزار روپے صرف ہوئے ۔ طباعت کے بعد اس کے تمام نسخے واجد علی خان نے مولوی ضیاء الدین احمد کو اس شرط پہ
فروخت کے لیے دے دیئے کہ جو نفع ہو خود رکھیں اور اصل لاگت واپس کر دیں ۔ احباب واعزاو ہندوستان کے مختلف

شہروں کے کُتب خانوں کو تحفتہً دینے کے لیے جو نسخے درکار تھے وہ مولوی صاحب سے اُسی قیمت پر خرید لیے جس پر وہ دوسروں کو فروخت کرتے تھے۔ اس مجموعۂ سلاسل میں ہر نام ایک علیحدہ قسم کے دائرے میں تحریر ہے، جو باعتبار موسوم کی حیثیت و وجاہت دینی یا دنیاوی تیرہ (۱۳) مختلف اُقلیدسی اشکال کے ہیں، جو اللہ بخش نقاش کی فنکارانہ حسن کے مظاہر ہیں۔ اس کی طباعت باہتمام حافظ عبدالکریم و سید شمس الدین مذکورۂ بالا مطبع رحیمی میں ہوئی۔

اب اس کتاب کے اس گمشدہ نادر قلمی نسخہ کا ذکر کرنا مقصود ہے جو اس تحریر کا محرک ہے اور جسے واجد علی خاں نے خود اپنے لیے تیار کرایا تھا۔ اُس کا ہر ورق انتہائی دبیز و سفید براق، دونوں رُخ سے مُصفّا (گلیزڈ) امپورٹڈ آرٹ پیپر کی ۳۰×۲۰ سائز کی پُوری شیٹ کا تھا۔ مولوی عبدالرحیم خطاط اور اللہ بخش نقاش نے اس پر اپنا اپنا پُورا فن صرف کر دیا تھا۔ پُورے سرورق کے علاوہ ہر ورق کے چاروں طرف ایک ایک اِنچ عریض حاشیہ میں مختلف موٹے اور باریک قلموں سے حسین طلائی ذنقرئی دلاجوردی گُلکاری کی گئی تھی۔ اس نسخہ کے لیے محمد معین الدین مرادآبادی (انجینئر) کے ذریعہ سے بلادِ اسلامیہ کے تمام ممالک میں واقع مقدس زیارت گاہوں اور تاریخی عمارات و مقامات کے فوٹو اور نقشہ جات بھی حاصل کر کے شامل کر لیے تھے، جن پر ہر تاریخی مقام کا نام اور وجہ شہرت و اہمیت بہت ہی خوشخط لکھوائی گئی تھی۔ تیار ہونے پر اس کا وزن معہ صندوق تقریباً ۲۰ سیر تھا۔ اس کی جلد اعلےٰ ترین ولایتی چمڑے کی بنوائی گئی جس پر کتاب کا نام وغیرہ اور نظر فریب گلکاری طلائی و نقرئی پختہ روشنائی سے کرائی گئی اور اس کے لیے خالص صندل سُرخ کا ایک چوبی صندوق تیار کرایا گیا جس کے پیندے کی موٹائی دو اِنچ، ڈھکنے کی ڈیڑھ اِنچ اور چاروں دیواروں کی ایک اِنچ تھی، ڈھکن اور چاروں دیواروں کے بیرونی رُخ پر انتہائی باریک کھدائی سے بیل بوٹے بنوا کر خالص ہاتھی دانت کی پچی کاری کرائی گئی۔ اوپر نیچے آٹھوں کونوں پر جوڑوں کی مضبوطی کے لیے پیتل کی موٹی چادر کی تکونی "کھنیاں" لگائی گئیں اور اُن پر بھی باریک کھدائی سے گلکاری کی گئی۔ (جے پور ہمیشہ سے پیتل، تانبہ اور چاندی پر کھدائی کے لیے مشہور ہے اور اس کے کاریگر پہلے تو سب کے سب ہی لیکن اب بھی اکثریت مسلمان ہیں)۔ نیچے ڈیڑھ ڈیڑھ اِنچ اونچے مضبوط اور منقش خم دار پیتل کے پائے لگائے گئے۔ بند کرنے کے لیے پیتل کے دو چوڑے چوڑے منقش "چھپکے" لگائے گئے، جب کہ پیچھے چار چوڑے چوڑے موٹی آہنی چادر کے قبضے لگائے گئے۔

اُس سستے زمانے میں اس صندوق کی تیاری پر تقریباً پانچ سو روپیہ صندل کی لکڑی، ہاتھی دانت اور پیتل کے سامان کی قیمتوں اور لکڑی و پیتل کی کھدائی اور ہاتھی دانت کی پچی کاری کی اُجرت پر لاگت آئی۔ پھر اس صندوقکے پیندے میں خالص کافور کی آدھی اِنچ موٹی تہہ کپڑے کی تھیلی میں بھر کر بچھائی گئی تاکہ کتاب کیڑوں سے محفوظ رہے۔ ہر دوسرے تیسرے مہینے نکال کر اُسے دُھوپ اور ہوا لگائی جاتی۔ جب کوئی نیا ملاقاتی آتا تو اسے بڑے فخر و مسرت سے دکھاتے تھے اور بہت عزیز رکھتے تھے۔

وہ نادر قلمی نسخہ ۱۱ر جون ۱۹۹۰ء (۱۶ر شوال ۱۴۱۰ھ) کو ان کی بعمر بہتر (۷۲) سال (ولادت ۳۱ر مئی ۱۸۴۹ء ۲۶ر جمادی الآخریٰ ۱۲۶۵ھ) انتقال کر جانے کے بعد اُن کے بڑے صاحبزادے خورشید علی خان (کمانڈر انچیف ریاست جے پور، جاگیر دار ٹھکانہ جگر، جے پور و رئیس مڈراک، ضلع علی گڑھ) کی تحویل میں رہا۔ پھر اُن کے فرزند اکبر دوارث جاگیر جے پور دریاست مڈراک، کنور عبدالوہاب خان صاحب (یوپی کے مشہور خلافتی قائد) کے قبضہ میں اور پھر اُن کے صاحب زادے کنور عبدالباقی خاں کے پاس رہا، جسے ۱۹۵۶ء میں جب میں آخری بار ہندوستان گیا تھا تو میں نے خود دیکھا تھا۔ ان کے کوئی اولاد نرینہ نہیں ہوئی۔ صرف پانچ لڑکیاں چھوڑ کر ۹ر مئی ۱۹۷۵ء کو انتقال کر گئے اور یوں خورشید علی خان کا اولاد ذکور کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

گذشتہ سال جب میں نے "تاریخ لال خانیاں" کی تدوین و تحریر کے لیے اُن کی لڑکی مرحسن جبین سے کچھ کتابیں طلب کیں تو اس نادر قلمی نسخہ کے متعلق بھی دریافت کیا تھا جس کے جواب میں اس نے بعد تلاش بسیار مطلع کیا کہ اس قسم کا کوئی نسخہ ہی موجود ہے اور نہ کوئی ایسا خالی صندوق ہی کہیں ملا۔ سمجھ نہیں آتا کہ وہ علمی و تاریخی نادرۂ روزگار فنی شہ پارہ کہاں گیا۔ عبدالوہاب خاں کے زمانے میں ایک شخص نے اس کے لیے بڑھاتے بڑھاتے دس ہزار روپے پیش کر دیئے تھے۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ یورپ یا انگلینڈ کا کوئی نہ کوئی کتب خانہ اس کی دوگنی سے زیادہ قیمت دے دیگا۔ لیکن وہ کسی قیمت پر اس خاندانی یادگار کو الگ کرنے پر تیار نہ ہوئے۔ اگر عبدالباقی خان نے اس کو فروخت کیا ہوتا یا آخری زمانۂ علالت میں جب زندگی سے مایوسی ہو گئی تھی کسی کتب خانہ میں رکھوایا ہوتا تو یقیناً مجھے لکھتے یا دونوں میں سے کسی سے یا اپنی بیوی اور بچیوں میں سے کسی سے ذکر کرتے۔

گمان غالب یہ ہے کہ اُن کی طویل علالت کے دوران اور موت کے وقت اور بعد میں اُن کے گھر میں کسی مرد کے نہ ہونے سے جو افراتفری پھیلی اور پھر اُن کی موت کے ایک ہفتہ بعد ہی اُن کی بیوی کے دماغی کینسر کی وجہ سے بیہوش ہو کر ہسپتال پہنچا دیئے جانے اور وہاں باوجود پانچ دفعہ دماغ کا نیچر آپریشن ہونے کے دس ماہ تک بے ہوش ہی رہ کر انتقال کر جانے کے بعد مزید ابتری پھیلی، اُس زمانے میں کسی ایک ملازم یا آنے جانے والے کو جو اس نسخہ کی قدر و قیمت جانتا تھا، اسے غائب کرنے کی موقعہ مل گیا۔ اب نہ جانے وہ نادرۂ روزگار کہاں ہے؟ کس ملک میں ہے؟ کس کے پاس اور کس حالت میں ہے؟ فی الحال تو وہ بھی ان علمی و تاریخی اور فنی نوادرات میں شامل ہو گیا ہے جو مسلمانوں کا گمشدہ خزانہ ہیں۔

اسی سلسلہ میں ایک اور علمی خزانے کے اتلاف کا ذکر بھی بے محل نہ ہوگا۔

واحد علیخان نے اپنی یوپی کی ریاست بڈھانی میں ایک اقامتی دینی درس گاہ، اپنے والد احمد علی خان نقشبندی، مجددی مظہری (خلیفۂ مجاز مولانا رحیم بخش اجمیری) متوفی یکم رمضان ۱۲۹۰ھ کی یادگار میں بنام "مدرسہ احمدیہ حنفیہ" قائم کی

تھی۔ درس گاہ اور اس سے متصل اساتذہ و طلباء کی اقامت گاہ و کتب خانہ اور مسجد کے لیے بڑی عالی شان عمارات تعمیر کرائی تھیں۔ مقامی اور بیرونی طلباء سے کوئی فیس نہیں لی جاتی تھی بلکہ نوشت و خواند کا جملہ سامان بھی مفت فراہم کیا جاتا تھا۔ بیرونی طلباء کو جنہیں ان کے سرپرست کچھ نہیں بھیج سکتے تھے، ضروریاتِ زندگی کے لیے وظیفہ بھی دیا جاتا تھا۔ اساتذہ اور مقیم طلباء کی خوراک و رہائش بھی بلا معاوضہ تھی۔ ان تمام مصارف کی کفالت کے لیے کئی مواضعات وقف علی اللہ کر دیئے گئے تھے۔ مدرسہ میں" درس نظامی" کے علاوہ فارسی، اردو اور حساب کی بھی تعلیم ہوتی تھی۔ اس سے ملحقہ کتب خانے میں ہر زبان اور ہر موضوع کی ہر ایک درسی کتاب کے کم از کم دس نسخے لازمی ہوتے تھے اور اُن میں سے ہر ایک کے حواشی و شرح کے مختلف علماء کے لکھے ہوئے کئی کئی نسخے مزید برآں۔ غیر درسی کتب کی تعداد ان کے انتقال کے بعد (حسبِ تحریر مولوی معین الدین اجمیری مذکورۂ صدر) سات ہزار تھی۔ جن میں اس وقت کی تمام مصری مطبوعات، نیز عربی، فارسی اور اردو کی مختلف موضوعات پر تصانیف و تالیفات کے ہندوستانی مطبوعہ و قلمی نسخے شامل تھے مدجو بین کی تصانیف و تالیفات انہوں نے حق المخت ادا کر کے مختلف علماء سے لکھوائیں اور اپنے خرچ پر طبع کرائیں اُن میں سے ہر ایک کے متعدد نسخے بھی موجود تھے۔ "مرأۃ الانساب" کے مطبوعہ نسخے تو کئی درجن تھے جن میں سے وقتاً فوقتاً آنے والے صاحبِ ذوق احباب و اعزا کو تحفتہً دیئے جاتے تھے۔ ہندوستان کے طول و عرض میں شاید ہی کوئی ایسا علمی و ادبی پرائیویٹ کتب خانہ یا پبلک لائبریری ایسی ہو گی جہاں اس کے نسخے نہ بھیجے گئے ہوں۔

واجد علی خان کے انتقال کے بعد ریاست بڑھانی کے وارث اور مواضعات موقوفہ کے متولی ان کے چھوٹے صاحب زادے کنور منظور علیخان ہوئے۔ جن کی زیر نگرانی اگرچہ مدرسہ اور کتب خانہ میں کوئی توسیع و ترقی نہیں ہوئی لیکن بہر حال قائم رہا۔ ان کے بعد جب اُن کے بڑے صاحب زادے کنور طفیل احمد خان صاحب جائداد کے وارث، وقف کے متولی اور مدرسہ و کتب خانہ کے مہتمم و نگران ہوئے تو اگرچہ کتب خانہ تو برسوں تک بدستور رہا لیکن مدرسہ بتدریج تنزلی کرتے کرتے مقامی بچوں کا مکتب رہ گیا۔ جب وہ تقسیم ہند کے کئی سال بعد مستقلاً پاکستان آنے کو ہوئے تو مولانا عبدالشاہد خان شروانی (سابق اسسٹنٹ لائبریرین و انچارج شعبہ مخطوطات، مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) کے خط موصولہ ۲۰ جولائی ۱۹۷۰ء کی تحریر کے مطابق "بہت سی کتابیں کنور طفیل احمد خاں مرحوم نے مختلف لوگوں کو فروخت کیں۔ اُن کے بعد ان کے ملازم عبدالحمید نے جو اسی مکان میں اُن کے ساتھ رہتا تھا، بعد میں بیچیں"۔

اس طرح وہ نادر ذخیرہ کتب جو احمد علی خاں اور پھر اُن کے صاحب زادے واجد علی خاں نے تقریباً ایک صدی میں نہ جانے کہاں کہاں سے کون کون سے قلمی و مطبوعہ علمی و تاریخی جواہر پارے فراہم کر کے جمع کیا تھا وہ اخلاف کی ناقدری

سے غارت ہوا۔

مولوی معین الدین اجمیری نے "حیوٰۃ طیبہ" میں اس کتب خانہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں کیفیت و کمیت دونوں اعتبار سے کتابوں کا ذخیرہ ایسا ہے کہ ایک مستعد شخص ان کو دیکھ کر متبحر عالم بن سکتا ہے اور معمولی عالم مصنفین کی صف میں آسکتا ہے۔ نہایت جامع کتب خانہ ہے۔ کتابوں کی تعداد سات ہزار (۷۰۰۰) ہے۔ ہر فن کی فہرست جداگانہ ہے۔ اس طرح چالیس فہرستیں ہیں، جن کا معائنہ فقیر نے کیا ہے۔ اس سے کتب خانہ کی جامعیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ بڑے بڑے شہر ایسے عظیم الشان کتب خانے سے خالی ہیں"۔

یہ تھا وہ مجموعۂ نوادراتِ علم جس کے جواہرات کوڑیوں کے مول قدر ناشناساؤں نے بیچ دیئے۔ ناقدری اور ناخلفی کی حد تو یہ ہے کہ آج واجد علی خان کے تین سگے پوتوں (مقیم لاہور و شیخوپورہ) اور پڑپوتوں (مقیم حیدرآباد و کراچی) کے پاس خود واجد علی خان کی موسومہ بالا سوانح حیات (حیوٰۃ طیبہ) تک نہیں ہے، چہ جائیکہ اس ذخیرہ کا کوئی اور علمی و فنی شہ پارہ۔ میں نے بھی بصد دشواری مولوی معین الدین اجمیری کی یہ تالیف جے پور سے منگوائی ہے ورنہ تو خود مؤلف کے صاحبزادے باقی میاں کے پاس بھی نہیں ہے۔

آج جو نئی نسل پر اپنے اسلاف اور اُن کے کارناموں سے غفلت کا الزام لگایا جارہا ہے وہ نیا نہیں ہے، پچاس ساٹھ برس پہلے پیدا ہونے والی نسل بھی اسی ناقدرشناسی اور اسلاف فراموشی میں مبتلا ہے۔ ایک اور مثال اس کی سامنے آئی کہ نواب احمد سعید خان صاحب آف چھتاری کے دادا نواب محمود علی خاں کی ایک سوانحعمری ۱۵ھ میں چھپی تھی جو مجھے اپنی زیر فکر "تاریخ لال خانیاں" کے سلسلہ میں درکار تھی۔ میں نے ہندوستان میں احمد سعید خان صاحب سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ انہیں تو اپنے سگے دادا کے اس تذکرے کے معرض وجود میں آنے تک کا علم نہیں۔ نہ جانے یہ نسلی خلیج (جنریشن گیپ) جس کے لیے آج کی پود مطعون ہے کب سے چل رہی ہے۔

جناب عبدالمجید قمر قندی

بلوچستان کا ذکری مذہب اور اسکی تاریخ

خانِ اعظم میر نصیر خان نوریؒ بلوچی دنیا کا فقید المثال بلوچی رہنما کہلاتے ہیں، وہ نہ صرف عظیم رہنما، سپہ سالار اور اولوالعزم قومی حکمران تھے بلکہ ایک پاکیزہ شخصیت اور بزرگ انسان کی حیثیت سے بھی پوری بلوچی تاریخ میں ان کا نام آفتاب و مہتاب کی طرح جگمگاتا رہے گا۔ ان کا دور بلوچوں کے بخت و اقبال اور عروج و ارتقاء کا دور تھا۔ وہ شرع محمدیؐ کے سختی سے پابند تھے۔ بلوچستان میں شرعی عدالتوں کا قیام میر نصیر خان کی یادگاروں میں سے ہے۔

میر نصیر خان سندھ کے عظیم بزرگ حضرت شاہ فقیر اللہ علویؒ ثم شکارپوری کے معتقدین میں سے تھے۔ شاہ صاحب ان کو ایک خط میں ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں :۔

"الی زبدۃ محبیّ اہل اللہ، و نقاوۃ مخلصی عاکفی باب اللہ محمد نصیر خان دامت ریاض جمعیتہ محروستہ عن صوارف الزمان و طوارق الحدثان و بعد السلام علیکم" الخ (مکتوبات مطبوعہ لاہور ص ۲۸۱، مکتوب نمبر ۶۲)۔

(ترجمہ) "اہل اللہ میں سے انتخاب کیا ہوا اور اللہ کے دروازے پر بیٹھنے والے مخلص لوگوں میں سے چنا ہوا، محمد نصیر خان کی طرف ان کے اتحاد کا باغ زمانے کی مخالف ہواؤں اور آفات سے محفوظ رہے"

ایک اور خط میں لکھتے ہیں :۔

"ہموارہ تائیدات ربانی و تلطفات رحمانی، شامل حال فرخندہ مآل، زبدۃ محبان اہل اللہ و خلاصہ ارادت مندان فقراء عاکفی باب اللہ محب خاص محمد نصیر خان سلمہ اللہ تعالیٰ" (از مکتوب نمبر ۶۵)

(ترجمہ) "ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور مہربانی اس نیک انجام کے شامل حال رہے جو اہل اللہ سے محبت کرنے والوں میں سے چنے ہوئے ہیں اور اللہ کے دروازے پر بیٹھنے والے فقیروں سے عقیدت رکھنے والوں کا خلاصہ ہیں یہ ہمارے پیارے محمد نصیر خان، اللہ ان کو محفوظ رکھے"

بلوچستان کے لوگ اپنے اس ہر دلعزیز حکمران کو نصیر خان نوری اور نصیر خان ولی کے نام سے یاد کرتے ہیں، ہر شخص انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ آپ کی وفات پر آخوند محمد صدیق لکھتا ہے :

"آن شیر بیشہ شجاعت، ہمائے اوج سعادت، ابر سخاوت، سلطان اورنگ عدالت، زیب آرائے

روضۂ فتوت، زینت افزائے روح مروت، حامی دین محمدی، ناصر ملت احمدی، قاتل کفار، قاصع فجار، نواب مستطاب، امیر محمد نصیر خان غازی کان اللہ علیہ الراضی در سنہ یک ہزار دو صد و ہشت ۱۲۰۸ھ بجوار حق پیوست۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔
(بحوالہ تاریخ بلوچستان از لالہ رائے بہادر ہتو رام ص۲۲۲ مطبوعہ کوئٹہ)

(ترجمہ) "وہ (بہادری کے) جنگل کے شیر، اوج سعادت کے ہما، سخاوت کے بارش، عدالت کے محنت کے بادشاہ، جوانمردی کے باغ کو زینت دینے والے، روح انسانیت کو سنوارنے والے، دین محمدی کے حامی، ملت احمد کے مددگار، کفار کے قاتل، فاجروں کو کاٹنے والے، پاکیزہ خصلت نواب، امیر محمد نصیر خان غازی، خدا ان سے راضی ہو۔ ۱۲۰۸ھ کو خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

میر نصیر خان نہایت بہادر اور ایک جنگ جو سپاہی تھے۔ انہوں نے ۱۷۵۸ء میں قلعہ قلات پر احمد شاہ ابدالی کے حملہ کو پسپا کیا۔ ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی تیسری لڑائی میں ۲۵ ہزار قبائلی بلوچوں کے ساتھ احمد شاہ ابدالی کی مدد کی۔ ۱۷۶۵ء میں سکھوں کے ساتھ خون ریز لڑائی لڑی۔ ۱۷۹۱ء میں جنگ مشہد میں افغان بلوچ متحدہ افواج کی کمان کی۔

دینی خدمات و کارنامے

میر نصیر خان کے دور میں مذہبی حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے مؤلف "تاریخ خوانین بلوچ"، لکھتے ہیں:

"جہالت کی تاریکی اور دین کے ارکان اور احکام سے بیگانگی پھیلی ہوئی تھی۔ بلوچستان کے کچھ علاقوں میں "ذگری"، جیسا خلاف اسلام مذہب جاری وساری تھا اور وہ لوگ مسلمان کو "نمازی" کہہ کر قابل گردن زنی گردانتے تھے، میر نصیر خان اعظم نے ایک طرف تو شرع محمدی کا نفاذ اور اجراء فرمایا اور دوسری طرف سے ذگریوں کی اسلام دشمنی اور شرک پروری کے خلاف خون آشام سلسلہ جہاد جاری رکھا تا آنکہ بڑے بڑے خون ریز اور فیصلہ کن معرکوں کے بعد اس بدعت کی مکمل طور پر بیخ کنی کی گئی۔ بہت سے ذگری حلقہ بگوش اسلام ہوگئے اور اس کفر و الحاد سے خداوند متعال نے مجاہد اعظم میر نصیر خان کے ہاتھوں اور بلوچوں کی شمشیر کی برکت سے مسلمانوں کو نجات نصیب فرمادی۔" (تاریخ خوانین بلوچ ص۱۶۲)

نیز ایک جگہ زیر عنوان "صلح نامہ قلات ۱۷۵۸ء" لکھتے ہیں:-

"جب میر نصیر خان اعظم کو عالم خواب میں حضور رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کا شرف دیدار حاصل ہوا اور آقائے نامدار نے اس کو مکران پر حملہ آور ہو کر دین اسلام کی تبلیغ واشاعت اور ذکریوں کی بیخ کنی کا حکم صادر فرمایا تو خان اعظم نے خدا کے برگزیدہ محبوب کے ارشاد گرامی کے مطابق مکران کے ذکریوں پر حملہ کر کے ان کو دین اسلام کی عملی تبلیغ پیش کی۔ مسلمانوں نے ذکریوں کا صفایا کر دیا اور اس کفر و الحاد سے ملت اسلام کو

نجات ملی۔ یہی وہ تاریخی عظیم الشان کارنامہ ہے کہ جس سے خوشنود ہوکر مرکزی حکومت ترکیہ نے خان بلوچ کو "غازی دین" اور ناصر ملت محمدیہ" کے سرمایۂ فخر خطابات عنایت کئے"۔

بہرحال یہی مسلمان ذکری معرکہ خان میر نصیر خان اور بادشاہ افغانستان احمد شاہ ابدالی کی باہمی ناراضگی اور حملہ قلات کا باعث بنا۔ احمد شاہ ابدالی بزعم خود میر نصیر خان کو اپنا ماتحت تصور کرتا تھا اور اس طرح بطور خود ذکریوں پر حملہ آوری کو اپنی کسر شان اور اقتدار اعلیٰ کی خلاف ورزی پر محمول کرتا تھا اور اس طرف سے میر نصیر خان کو ناموس دو عالم کے ارشاد گرامی کا دل و جان سے خیال اور احساس تھا۔ (تاریخ خوانین بلوچ ص ...)

خان آف قلات و سابق گورنر بلوچستان میر احمد یار خان مرحوم اپنی کتاب "مختصر تاریخ قوم بلوچ و خوانین بلوچ" کے ص ۳۱۳ پر لکھتے ہیں:۔

"میر نصیر خان اعظم نے قبائلی فوجی نظام کی بنیاد ڈالی، بلوچ پارلیمنٹ قائم کی، قوم کو ایک دستور العمل عطا کیا۔ جو شرع محمدی اور بلوچ روایات کا حسین امتزاج تھا۔ دین اسلام کی ترویج و اشاعت کی، سلطنت میں شرعی نظام رائج کیا، مسجدیں تعمیر کیں۔ پابندی صوم و صلوٰۃ، ادائیگی زکوٰۃ اور دیگر دینی فریضوں کے لیے سرکاری طور پر اقدامات کئے اور محکمے قائم کئے۔ غیر اسلامی رسوم یک قلم منسوخ کیں اور سچ مچ کا اسلامی معاشرہ صدیوں بعد بلوچستان کی سرزمین میں دوبارہ قائم ہوگیا۔ میر نصیر خان نوری نے پورے دور حکومت میں تلوار ہاتھ میں لے کر بے شمار محاذوں پر جذبہ جہاد اور شجاعت و بہادری کے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ خواب میں حضور اکرمؐ آقائے نامدار کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اشارہ پاکر دین اسلام کی تبلیغ اور بلوچستان میں ذکری فرقے کی بیخ کنی کے اقدامات کیے اور قدم قدم پہ کامرانی و سرخروئی نے اُن کا ساتھ دیا۔ ان اقدامات اور کارناموں سے متاثر ہوکر خلافت ترکیہ نے ان کو "غازی دین" اور "ناصر ملت محمدیہ" جیسے معتبر بالشان خطابات عطا کئے"۔

خان میر نصیر خان نوری کا کیچ مکران پر حملہ

قبل ازیں میں لکھ چکا ہوں کہ حضرت شاہ فقیر اللہ نے مدینہ منورہ میں حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مواجہ شریف میں کیچ مکران کے ذکریوں پر اسلام کے غلبہ کے لیے دعا مانگی اور اسی دوران شاہ صاحب کو بشارت ملی کہ یہ کام میر عبداللہ خان کی اولاد میں سے کسی ایک کے ہاتھ سے سرانجام پائے گا۔ آپ نے مندرجہ بالا کے دو حوالوں سے اندازہ لگایا کہ میر نصیر خان کو خواب میں سرور کائناتؐ نے آکر خود حکم صادر فرمایا کہ اٹھو اور ذکریوں کے خلاف جہاد کرو۔

ان دنوں حالت یہ تھی کہ کوئی شخص ذکری علاقوں میں نماز نہیں پڑھ سکتا تھا اور اگر کسی نمازی کو دیکھتے تو متعصب ذکری اسے قتل کر دیا کرتے تھے۔ نماز کے علاوہ دیگر شعائر اللہ کی توہین اور بے حرمتی ہوتی تھی مثلاً

ماہِ رمضان کی بے حرمتی، اذان کی بے حرمتی، مساجد کی بے حرمتی اور استہزا عام شعار بن چکا تھا۔ حضورؐ کا میر نصیر خان کے خواب میں آکر حکم فرمانا، اشارہ ہے کہ پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا ہے۔ مزید دین کی بے حرمتی ناقابلِ برداشت ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ذکریوں کے خلاف جہاد کیا جائے۔

جس وقت نصیر خان نے کیچ پر حملہ کیا تھا اس وقت ملّا مراد کا بیٹا ملک دینار ذکریوں کا خلیفہ اور کیچ مکران کا حکمران تھا۔ ملک دینار گچکی ۱۷۴۰ء میں اقتدار پر آیا اور اس کا دور ذکریوں کی ترقی اور انتہائی عروج کا دور تھا مگر ان کا زوال بھی اسی سے ہوا۔

میر نصیر خان نے جب حملے کی تیاری کی تو اس کو خفیہ رکھا اور ۱۷۵۷ء میں قبائلی دستوں کو سمیٹ کر جھگو کے راستے کیچ پر حملہ کر دیا۔ بلیدیوں کے اقتدار کے خاتمے سے پورے سولہ سال بعد یہ حملہ ہوا اور اس حملہ میں میر نور محمد ولد شیخ بلال بلیدی بھی ساتھ تھے۔ اثناء راہ میں ملک دینار کی مختلف غیر منظم ٹولیوں کے ساتھ جھڑپیں ہوتی رہیں تا آنکہ تربت کے قریب آکر میر نصیر خان نے پڑاؤ ڈالا۔ مقصد یہ تھا کہ ملک دینار شہر سے باہر آکر مقابلہ کرے شہر کے اندر لڑنے سے بے گناہوں کا مارا جانا امکان سے بعید نہیں۔ مگر تربت کے ذکری میر نصیر خان کا شہر پر حملہ نہ کرنے کو ان کی بزدلی اور ملک دینار کی کرامت تصور کرتے تھے اور رات کو چوگان کھیلتے ہوئے بطور چیلنج درج ذیل شعر بار بار پڑھتے تھے ؎

دینِ داعی چونکہ بر ما یار شد   تختِ مکران بر ملک دینار شد

اس شعر کو میر نصیر خان نے نوٹ کیا۔ تا آنکہ ملک دینار خود ایک بہت بڑی جمعیت کے ساتھ میر نصیر خان کے سامنے آکر صف آرا ہو گیا۔ زبردست لڑائی ہوئی۔ آخر کار ملک دینار شکست کھا کر بھاگا اور تمپ کے قلعہ میں جا کر دم لیا اور اس کا لڑکا میر شیخ عمر گوادر بھاگ گیا۔ میر نصیر خان نے تربت سے آگے بڑھ کر تمپ پر حملہ کیا، ملک دینار قلعہ بند ہو گیا، کئی دن تک قلعہ میں محصور رہا بالآخر نکل کر مجبوراً ہتھیار ڈال دیئے اور گرفتار ہو گیا۔

میر نصیر خان نے ملک دینار کو ہر چند نماز پڑھنے کو کہا مگر وہ کٹر بے نماز انکار کرتا رہا۔ قاضی اور علماء نے بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانا۔ بالآخر ناامید ہو کر میر نصیر خان نے قتل کا حکم دے دیا۔ ملک دینار میر بلال بلیدی کا قاتل بھی تھا لہٰذا میر نور محمد ولد میر بلال نے اشارہ پا کر سر تن سے جدا کر دیا۔ عین قتل کے موقعہ پر میر نصیر خان نے ذکریوں کے سابقہ شعر کا جواب اس طرح دیا ؎

دینِ احمد چونکہ بر ما یار شد   طوقِ لعنت بر ملک دینار شد

ملک دینار کے قتل سے فارغ ہو کر میر نصیر خان کیچ لوٹ آئے۔

باقی صفحہ ۵۶

PMDC

از جناب خان غازی کابلی

جگ بیتی اور آپ بیتی

اکابر احرار، مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا احمد علی لاہوری

بزرگان احرار اور مسٹر جناح "الحق" ار مئی کے شمارے میں مولانا عبداللہ صاحب خطیب جامع مسجد حاصل پور ضلع بہاولپور کا مضمون "امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور تحریک پاکستان" شوق کی نگاہوں سے بار بار پڑھا اور دیدۂ دل کو روشن کیا۔ "ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے" کا لطف اٹھایا۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ "مجلس احرار کے قلندر" قسم کے بیباک رہنماؤں نے کبھی بھی مسٹر جناح سے ملنے کی خواہش و کوشش نہیں کی تھی۔ مضمون میں سید بخاری کی جن تقریروں کے حوالے دئے گئے ہیں اور ان میں جو کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے ان میں بہت سی باتیں "زیب داستان" کے طور پر ہیں۔ تقسیم وطن سے قبل غالباً ۱۹۳۶ء میں لاہور کے فلیٹی ہوٹل میں مولانا مظہر علی اظہر کی میری موجودگی میں مسٹر جناح سے ایک ملاقات ہوئی تھی ان کی خواہش و دعوت پر۔ اس ملاقات میں مسٹر جناح نے مولانا مظہر علی اظہر سے فرمایا تھا کہ "مجھے پنجاب میں صرف آپ کی ضرورت ہے اور کسی کی نہیں" اس پر مولانا مظہر علی اظہر نے جواب دیا تھا کہ "میں اپنے احرار ساتھیوں کو کسی حالت میں بھی چھوڑنے کو تیار نہیں ہوں" اس پر مایوس ہو کر مسٹر جناح نے مسٹر برکت علی اور دوسرے لوگوں کو اپنا ساتھی بنایا۔ یہ ملاقات ۱۹۳۶ء کے آئین کے تحت جو انتخابات ہونے والے تھے جس کے لئے مسلم لیگ اور دوسری ترقی پسند جماعتوں نے "مسلم یونٹی پارلیمنٹری بورڈ" کے نمائندوں نے حمایت کی تھی۔ اور مولانا مظہر علی اظہر، خان غازی کابلی۔ غازی سے تھے خان لکھنوی، سید علی ظہیر، چوہدری خلیق الزمان مولانا عزیز احمد خان آف بریلی اور خان بہادر مقصود علی خان آف کیلاش پور ضلع سہارنپور کے لئے دورے کئے۔ اور ان کی حمایت میں تقریریں کی تھیں۔

لیکن تقسیم وطن اور قیام پاکستان کے بعد جب ۱۹۵۳ء میں "تحفظ ختم نبوت" کی تحریک شروع ہوئی تب مجھے یاد پڑتا ہے کہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے جسٹس منیر نے برسر عدالت دریافت کیا تھا کہ

کیا آپ نے "قائداعظم" کو "کافراعظم" کہا تھا۔ تو سید بخاری نے جواب میں فرمایا کہ مولانا مظہر علی اظہر نے کہا تھا۔ اس پر مولانا مظہر علی اظہر کو بطور گواہ طلب کیا گیا تھا اور مولانا نے جرأت کے ساتھ حق گوئی اور بے باکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا کہ ہاں میں نے کہا تھا اور ایک لاکھ کے اجتماع میں کہا تھا ؎

اک کافرہ عورت کے لئے دین کو چھوڑا
یہ قائداعظم ہے کہ ہے کافراعظم

اس پر جسٹس منیر نے کہا کہ مولانا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں کہ بانی پاکستان کو "کافراعظم" کہنا تو قتل کو دعوت دینا ہے مولانا مظہر علی اظہر نے جواب دیا کہ جب میں نے ۱۹۴۶ء میں دہلی دروازہ لاہور کے ایک لاکھ کے اجتماع میں مندرجہ بالا یہ شعر پڑھا تھا تو اس وقت بھی بعض لوگوں نے یہی بات کہی تھی جو آپ کہہ رہے ہیں میں نے اس وقت جواب میں جو کہا تھا وہ آج بھی کہتا ہوں کہ

"قتل کرنے والے ہاتھوں سے بچانے والے ہاتھ زیادہ مضبوط ہیں"

جسٹس منیر کی رپورٹ میں شاید اس کا ذکر اشارۃً یا کسی رنگ میں ہو

احرار کو اپنی شکست کا اعتراف | یہ سچ اور صحیح ہے کہ قیام پاکستان کے بعد احرار نے نہایت حوصلہ کے ساتھ اپنی شکست کا اعتراف کرتے ہوئے "پاکستان" کو ایک حقیقت تسلیم کر لیا تھا اور بعض تیسرے درجے کے "پنساری" اور "ٹین گر ویٹن ساز" قسم کے احراریوں نے لیگیوں اور پرانے سامراجی مشینوں کے پرزوں کے ساتھ تعلقات بھی استوار کر لئے تھے لیکن پاکستان کو تسلیم کرنے کے باوجود سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے کبھی لیگی قیادت کو تسلیم نہیں کیا اور مرتے دم تک بلبل ریاض رسول بن کر چہکتے رہے اور قرآن سے عشق فرماتے رہے اور مولانا مظہر علی اظہر نے راقم (خان غازی کابلی) سے کہا تھا کہ ہمارا مقصد انگریز کو نکالنا تھا وہ نکل گیا اور اب جو سیاست ہوگی وہ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے اور "کتے خصی" کرنے کے سوا کچھ نہ ہوگی۔ اس لئے میں اب وکالت کروں گا اور سیاست وہ لوگ کریں جن کا پیشہ ہی سیاست ہے۔ اور اقتداروں کی تاروں پر رقص کرنا جانتے ہوں میرا مزاج تو اس کے برعکس کچھ اور رہی ہے ؎

عشق و آزادی ہی پیشہ ہے ہمارا مظہر
ہم کو سرکاروں سے مطلب ہے نہ درباروں سے

مندرجہ بالا شعر اختر شیرانی کا ہے اور مقطع میں "اختر" کی جگہ "مظہر" کو میں نے فٹ کیا ہے جس کے لئے اختر کی روح سے معذرت خواہ ہوں۔

خان عبدالقیوم خاں کی صدارت کا قصہ | مولانا عبداللہ صاحب عاصل پوری نے اپنے مضمون میں جس جلسہ اور

نوجوان یونس کا ذکر کیا ہے۔ وہ جلسہ موچی دروازے میں نہیں بلکہ بیرون دہلی دروازہ متصل درگاہ شاہ محمد غوث لاہور میں ہوا تھا۔ اور یہ جمعیت حریت طلب مسلم طلبا کی انجمن کی طرف سے بلوایا گیا تھا۔ اس کے صدر صوفی اللہ داد خاں نیازی آف عیسیٰ خیل کے بھتیجے امان اللہ خاں نیازی تھے جو میرے عزیزترین دوستوں میں سے تھے۔ اور اس انجمن کی صدارت میں انہوں نے میری محبت کی وجہ سے قبول کی تھی اس انجمن کی صدارت میں انہوں نے میری وجہ سے قبول کی تھی۔ اس انجمن کے دوسرے کارکنوں میں مولانا مظہر علی اظہر کے بڑے صاحبزادے جناب قیصر مصطفےٰ چوہدری فیض اللہ خان آف قلعہ گوجر سنگھ لاہور وغیرہ تھے۔ مسٹر یونس کی حیثیت اس زمانے میں ایک ایسی گمشدہ گائے کی سی تھی جو ہر کلن پر منہ مارتی ہے اور ڈنڈے کھاتی ہے۔" اس کے علاوہ ہر نوجوان کا تعلق مسلم طلبا کی اس انجمن سے بھی تھا جس کے سرکردہ اراکین مولانا عبدالستار نیازی۔ ڈاکٹر عبدالسلام (خلف مولانا عبدالمجید سالک) اور حمید نظامی وغیرہ ہوا کرتے تھے جلسہ یا کانفرنس کی صدارت کے لئے میری ہی تجویز پر خان عبدالقیوم خاں کی صدارت کا فیصلہ ہوا تھا۔ اور میں امان اللہ خاں نیازی کو لے کر پشاور گیا تھا۔ اور ہم نے پشاور میں مولانا عبدالقیوم پوپلزئی کے ہاں قیام تھا۔ اس زمانے میں خان عبدالقیوم خان مرکزی آئین اسمبلی میں کانگرس کے ڈپٹی لیڈر ہوا کرتے تھے اس جلسہ میں حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر پاکستان یا مسلم لیگ سے متعلق نہ تھی۔ بلکہ ایک نوجوان کے خلاف تھی۔ اور اس میں حضرت شاہ صاحب نے نام غصہ چوہدری افضل حق اور میرے خلاف اتارا تھا اور فرمایا تھا کہ میں ایسے بد زبانوں کو مجلس احرار میں برداشت نہیں کر سکتا۔ جو کل احرار کو گالیاں دے کر قادیانیوں اور احرار کے دشمنوں کو خوش کرتے تھے۔ اور آج مجلس احرار میں آکر مولانا ظفر علی خان کو گالیاں دے احرار کو خوش کرنے کی نامسعود اور مذموم کوششیں کرتے ہیں۔ یہ نوجوان میری محبت کے صدقے میں نیلی پوشوں سے کٹ کر تازہ بتازہ" رونق ہنگامۂ احرار" ہوئے تھے۔ اور میں اسے اپنا بڑا کارنامہ تصور کرتا تھا۔ مختصر یہ کہ کچھ دنوں کے بعد سید بخاری کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اسے میری اور چودھری افضل حق کی سفارش پر شاہ صاحب نے اس شرط کے ساتھ معاف کر دیا تھا کہ وہ آیندہ بدزبانی اور دشنام طرازی سے کام نہیں لیا کریں گے اور آخر کار یہ نوجوان تقسیم وطن کے بعد احرار سے کٹ کر پاکستان کے مشہور صحافی بن گئے۔ اور اب مرحوم ہو چکے ہیں۔ مسٹر یونس کے جس مضمون کا کتنگ مولانا عبداللہ نے اپنے مضمون میں پیش کیا ہے وہ تقریر حضرت شاہ صاحب کی نہیں ہے بلکہ مسٹر یونس کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے۔ اگر آج حضرت شاہ صاحب بقید حیات ہوتے تو اس کی ضرور تردید کرتے۔

علامہ سید انور شاہ مظفر آبادی کشمیر خاص میں ایک خطے کا نام "وادی لولاب" ہے۔ اور اس کے پہلو میں دوسرا خطہ جس میں زیادہ پشتو بولنے والے پختون آباد ہیں اس کا نام "وادی نیلم" یا "وادی بنلاب" ہے جس کا بڑا شہر مظفر آباد ہے جو آزاد کشمیر کا صدر مقام ہے اس خطے میں عرصہ دراز سے

حضرت "مسعود بابا" کے خاندان کی ایک شاخ آباد ہے جن کے ناموں کے ساتھ مسعودی لکھا جاتا ہے۔ جس کے ایک روشن چراغ حضرت مولانا سید انور شاہ مسعودی ہیں اور دوسرے مولانا سید محمد سعید مسعودی ہیں۔ جو آج بھی بقید حیات ہیں۔ اور گاندربل میں سکونت رکھتے ہیں۔

مولانا سید انور شاہ کی ولادت موضع "لوات" ضلع مظفر آباد وادی نیلم میں ہوئی ہے اور ابتدائی تعلیم انہوں نے کاکول ضلع ہزارہ میں پختون عالم مولانا فضل الدین سے کی تھی۔ دیوبند کے دارالعلوم کے داخلے کے رجسٹر میں ان کے نام کے ساتھ "مظفر آبادی" کی نسبت درج موجود ہے۔ ان کی صاحب زادی کی شادی بھی بجنور کے ایک پٹھان خاندان کے مولوی احمد رضا خان سے ہوئی ہے۔ ان حقائق کی موجودگی میں حیرت کی بات ہے کہ مولانا سید انور شاہ کے نام کے ساتھ "کشمیری" کی نسبت کب اور کیسے ہوئی؟ یہ کہنا کہ ان کے بزرگ "وادی لولاب" کشمیر کے تھے اس لئے علامہ سید انور کشمیری ہیں یہ باتیں کافی نہیں؟

مولانا سعید مسعودی اور مولانا احمد علی لاہوری

"وادی نیلم" یا "وادی نیلاب" کے مسعودیوں میں مولانا سید انور شاہ مسعودی مظفر آبادی کے علاوہ ایک اور مشہور قومی شخصیت مولانا سعید محمد سعید مسعودی کی ہے جو ہندوستان کی پہلی پارلیمنٹ کے ممبر رہ چکے ہیں اور ان دنوں گاندربل کشمیر میں سکونت رکھتے ہیں اور اس وقت کشمیر میں جنتا پارٹی کے ... ... نے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے بارے میں ذیل کا بیان عنایت فرمایا ہے۔

۷۸۶

بزرگ محترم اور مجاہد آزادی خان غازی کابلی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۔ ۱۹۲۰ء میں جب لاہور میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آیا تو ان دنوں عربی کی تعلیم کے لئے لاہور میں دارالعلوم نعمانیہ کے نام سے ایک مشہور مدرسہ تھا جس میں داخلہ لے لیا لیکن تجربہ کے بعد احساس ہوا کہ ہم ایک ذہنی قید خانہ میں پھنس گئے ہیں۔ مدرسہ کے چند ایک بزرگ منتظم تھے جو شدید قسم کی بریلویت کا شکار تھے۔ ان دنوں دارالعلوم نعمانیہ میں صدر مدرس مولانا غلام مرشد صاحب تھے اور مدرس دوم مولانا شاہ رسول صاحب ہزاروی تھے۔ ۱۹۲۳ء میں تنگ نظری کے ماحول میں جوں توں کر کے وقت کاٹا اس کے نعمانیہ سے اورنٹیل کالج میں داخلہ لے لیا جس میں مولانا نجم الدین صاحب سینیئر پروفیسر تھے۔ جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے شاگردوں میں سے تھے۔ اور سید طلحہ ٹونکی تھے جنہوں نے مولانا سید انور شاہ کشمیری سے فیض حاصل کیا تھا۔ ادب کے استاد مولانا عبدالعزیز میمن راجکوٹی تھے۔ جن کی وسیع المشربی مسلمات میں سے تھی۔ یہاں ذہنی آزادی کی جو فضا

میسر ہوئی تو متذکرہ بالا بزرگوں کے مشورے سے شیرانوالہ کا رخ لگے۔ جہاں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے درس قرآن اور خطبات جمعہ سے فائدہ اٹھایا اور یہ سلسلہ ۱۹۲۵ء تک جاری رہا۔ چونکہ ۱۹۲۴ء میں اورنٹیل کالج سے فراغت حاصل کر لی تھی۔ اس لئے ۱۹۲۴ء اور ۱۹۲۵ء تک میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری کے بناکردہ مدرسہ قاسم العلوم میں فیض حاصل کرنے کچھ زیادہ ہی مواقع ملے ان دنوں اس مدرسہ میں ایک دیوبندی فاضل مولانا شمس الحق افغانی حدیث کا درس دیتے تھے اور سنن ابن ماجہ پڑھاتے تھے۔ مولانا احمد علی لاہوری کے درس قرآن سے جو وقت بچ جاتا تھا وہ مولانا شمس الحق صاحب افغانی سے فیض حاصل کرنے میں صرف ہو جایا کرتا تھا۔ لاہور کے اس زمانے پر پچاس سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ مفصل اور جزوی واقعات کی یادیں ذہن سے اتر گئی ہیں۔ اتنا ہی یاد پڑتا ہے کہ مولانا احمد علی لاہوریؒ کے درس قرآن کی وجہ سے شہر کے مختلف طبقات میں قرآن پاک کی اہمیت کا ایک احساس پیدا ہو گیا تھا جو اس سے پہلے نایاب تھا مولانا کا درس قرآن عربی دانوں اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں اور بقدر ذوق ہر طبقے میں مقبول تھا۔ اور مولانا احمد علی کی کوششوں کا یہ تاثر پیدا ہوا کہ مولانا غلام مرشد صاحب نے مسجد اندرون بھاٹی دروازہ لاہور میں اور مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب نے مسجد وزیر خان میں اور اس طرح کئی دوسرے علماء جو مختلف مدرسۂ خیال سے رکھتے تھے اپنے یہاں مسجدوں میں درس قرآن دینے لگے۔ درس قرآن کا یہ رواج لاہور کی خصوصیات بن کر رہ گیا تھا۔ لیکن اس کا سہرا ہر مکتب خیال کے لوگوں نے مولانا احمد علی صاحب لاہوری کے سر ہی باندھا تھا۔

فرسودہ۔ محمد سعید مسعودی گاندربل کشمیر

بقلم اسد رضا خان۔ نواسۂ علامہ انور شاہ کشمیری

۱۶ مئی بمقام ۳۰ سی اردن روڈ۔ دہلی

اسعد رضا خان علامہ انور شاہ مظفر آبادی عرف علامہ کشمیری کے نواسہ ہیں اور مولانا احمد رضا خان بجنوری سب سے چھوٹے فرزند ہیں۔

چوہدری محمد شفیع میرپوری کا بیان

چوہدری محمد شفیع بی اے میرپوری سابق ممبر بھارت پارلیمنٹ میرے خط کے جواب میں لکھتے ہیں:-

"خان والاشان" میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کے سلسلے میں مجھے یاد فرمایا ہے جواب میں مختصر طور پر عرض ہے کہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری کا درس قرآن نہایت ہی بصیرت افروز ہوا کرتا تھا اور علاوہ ترجمہ کے جب وہ کسی آیت کی تفسیر کیا کرتے تھے تو نہایت ہی ایمان افروز نکات بیان کیا کرتے تھے۔ اور دین و دنیا دونوں کے مسائل ایسے دل آویز پیرائے میں بیان کرتے کہ سننے والے عش عش کرتے تھے

میں نے ان کے درس قرآن کے مخالفوں اور عقیدت مندوں دونوں کو دیکھا ہے سب کو یہ کہتے سنا ہے کہ مولانا احمد علی لاہوری کا درس قرآن گمراہوں کو صراط مستقیم دکھاتا ہے اور اہل ایمان کی ترقی کا باعث ہوا کرتا ہے میں نے آزادی اور مذہب کا عشق ان کے درس قرآن سے حاصل کیا ہے۔ خدا جانے ان کے بعد ان کے میر کارواں اور شاگردوں نے یہ سلسلہ جاری رکھا ہے یا اب ان کی وفات کے ساتھ ختم ہو گیا ہے اگر ختم ہو گیا تو یہ بے حد افسوس اور شرم کی بات ہے۔ میں جب کبھی میرپور سے لاہور بزرگان احرار سے ملنے جایا کرتا تھا۔ تو شیرانوالہ دروازہ میں جا کر حضرت مولانا احمد علی صاحب کے درس میں ضرور شریک ہوا کرتا تھا۔ اور میں نے بچشم خود ان کے درس قرآن میں ہر دیار اور شہر کے تشنگان علم دین کو بیٹھے دیکھا ہے۔

آپ کا محمد شفیع۔ جامع مسجد پارلیمنٹ نئی دہلی ۱۹ر مئی ۱۹۶۸ء

آخر میں عرض ہے کہ حضرت مولانا شیخ الحدیث عبدالحق صاحب قبلہ سے ملاقات ہو تو میرے لئے دعا کی درخواست کیجئے۔ اور سمیع الحق صاحب حقانی سے بھی کہئے کہ وہ میری گستاخیوں کی پرواہ نہ کریں بلکہ اپنی محبت کا خیال کر کے میرے لئے دعا کریں۔ اسی طرح اگر ممکن ہو تو بوالیسی حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی۔ مولانا لطف اللہ صاحب آف جہانگیرہ۔ مولانا عبدالقیوم پوپلزئی۔ مولانا عبدالحی صاحب آف تورڈھیر کے حالات سے مطلع فرمایئے اور لکھئے کہ "کس حال میں ہیں یاران وطن" سب دوست بہت یاد آتے ہیں۔ زیادہ حد ادب۔

بقیہ از صفحہ ۵۸

احمد شاہ ابدالی کی جواب طلبی

تمپ پر حملہ کرتے وقت ملک دینار نے اپنے بھائی میر شاہ بیگ کو احمد شاہ ابدالی کے پاس فریادی قندھار بھجوا دیا تھا۔ اس پر میر نصیر خان سے جواب طلبی ہوئی۔ اگرچہ میر نصیر خان وقتی طور پر قلات لوٹ آئے لیکن موقع پا کر احمد شاہ ابدالی کے ایک فرمان کو ٹھکرایا اور ۱۷۵۸ء میں احمد شاہ ابدالی نے قلات پر حملہ کر دیا۔ ناکام ہو کر صلح پر آمادہ ہوا۔ دونوں کے مابین معاہدہ ہوا جو "صلح نامہ قلات" کے نام سے مشہور ہے۔

کیچ پر دوبارہ حملہ

احمد شاہ ابدالی سے نمٹنے کے بعد میر نصیر خان نے دوبارہ کیچ پر حملہ کیا۔ میر شیخ عمر ولد ملک دینار ناصر آباد بھاگ گیا اور قلعہ بند ہو گیا۔ کیچ دوبارہ قبضہ کرنے کے بعد میر نصیر خان نے ناصر آباد پر حملہ کیا۔ خونریز لڑائی کے بعد شیخ عمر گرفتار ہو گیا [illegible] کے ساتھ دوسرے سردار بھی گرفتار ہوئے۔ کئی ذکری مارے گئے۔ میر نصیر خان کا بھی کافی جانی نقصان ہوا۔ میر نصیر خان نے کیچ کے قلعہ میں اپنا نائب مقرر کر کے قیدیوں کو ساتھ لے کر قلات لوٹے۔

احوال و کوائف

دارالعلوم حقانیہ

سید نصیب علی شاہ مدیر افکار طلبہ

مولانا سید اسعد مدنی کی آمد

مولانا سید اسعد مدنی کا ورود مسعود | ۱۹ر جولائی ــــ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے فرزند و جانشین جمعیۃ العلماء ہند کے صدر اور ایشیائی اسلامی کانفرنس میں بھارت کے مندوب حضرت مدنیؒ کے خصوصی شاگرد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہم کی عیادت اور ملاقات کی غرض سے دارالعلوم حقانیہ میں تشریف لائے۔ حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب ایک بار اس سے قبل بھی دارالعلوم حقانیہ کو اپنے مقدوم میمنت لزوم سے نواز چکے ہیں اس بار آپ کی آمد نہایت مختصر رہی مگر شدید مصروفیات کے باوجود آپ نے اپنے استاذ گرامی حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے ملاقات کا موقعہ سنگاکوٹ سے واپسی میں نکال دیا اس وقت دارالعلوم میں بوجہ تعطیلات گرماگرمی نہیں تھی پھر حضرت شیخ الاسلام رح کے متوسلین و معتقدین فضلاء دیوبند اور دیگر مشتاقان کافی تعداد میں حضرت کی زیارت کے لیے موجود تھے اپنے مختصر قیام میں آپ نے دارالعلوم کے نو تعمیر شدہ کتب خانہ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح کی یاد میں تعمیر شدہ احاطہ قاسمیہ کا معائنہ کیا ماہنامہ الحق کے جدید دفتر میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ اور دیگر حضرات کے ساتھ چائے کی مجلس پر گھنٹہ سوا گھنٹہ گفتگو رہی مولانا سمیع الحق نے انہیں مؤتمر المصنفین کے مطبوعات کا سیٹ پیش کیا، دارالعلوم کے تفصیلات بتلائیں، پروانوں کے ہجوم میں احقر کو بھی مصافحہ کی سعادت ملی اور میری خواہش پر میری آٹوگراف میں دستِ مبارک سے لکھا کہ:

جہاں اے برادر نہ ماند بکس　　　　دل اندر جہاں آفرین بند و بس

اس وقت مجلس کا عجیب منظر تھا آپ اپنے مشفق استاد حضرت شیخ الحدیث صاحب کے ساتھ بیٹھے فرط ادب سے بچھے جا رہے تھے اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ اپنے مرشد زادہ مخدوم کے ہاتھ چومنے اور آنکھوں پر رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ حضرت مولانا اسعد صاحب کو چونکہ نماز جمعہ پڑھانے کے لیے پشاور پہنچنا تھا اس لیے بہت جلد معنوی مسرتوں کا یہ خوشگوار وقت بہار کے جھونکے کی طرح گذر گیا اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ گاڑی تک جاکر اپنے مخدوم زادہ اور اسلامیان ہند کے آنکھ کے تارے کو نہایت حسرت سے رخصت کیا۔

مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ سے ملاقات ایشیائی کانفرنس کے بعد مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند بالاکوٹ جاتے ہوئے گیارہ جولائی راولپنڈی تشریف لائے اسی دن حضرت شیخ الحدیث صاحب ڈاکٹروں کے معائنہ کے لیے راولپنڈی پہنچ کر جامعہ اسلامیہ راولپنڈی صدر میں مقیم تھے حضرت حکیم الاسلام مدظلہ کو حضرت کی علالت اور راولپنڈی میں موجودگی کا علم ہوا تو فوراً حضرت کی قیام گاہ پر اپنے رفقاء مولانا محمد سالم قاسمی مولانا حامد الانصاری غازی اور دیگر حضرات کے ساتھ تشریف لائے حضرت شیخ الحدیث نے نہایت معذرت کی کہ میں خود حاضر ہوتا مگر حضرت حکیم الاسلام نے فرمایا کہ میں نے اسی لیے سبقت کی کہ اس علالت میں آپ کو نقل وحرکت کی تکلیف نہ ہو کچھ دیر تک جامعہ اسلامیہ میں یہ پیاری مجلس قائم رہی اس کے بعد حضرت حکیم الاسلام بالاکوٹ پر روانہ ہو گئے ۔

وفاقی وزراء کی آمد ۱۱ر جولائی ـــــ وفاقی وزیر محنت و آبادکاری جناب چوہدری ظہور الٰہی صاحب ، و وفاقی وزیر تعمیرات جناب فدا محمد خان صاحب صبح صبح اچانک دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے تاکہ حضرت شیخ الحدیث صاحب سے ملاقات کر سکیں، مولانا سمیع الحق صاحب نے انہیں دارالعلوم کے نئے تعمیرات کا معائنہ کرایا اور پھر امتحان گاہ میں لے گئے جہاں وفاق المدارس کے زیر نگرانی دورہ شریف کے امتحانات ہو رہے تھے اس کے بعد دونوں معزز حضرات شہر میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے مکان پر گئے اور حضرت کی خدمت میں کچھ دیر رہے چوہدری ظہور الٰہی صاحب نے حضرت سے اپنے دیرینہ گہرے تعلق اور عقیدت کا اظہار کیا اور فرمایا کہ میری خواہش تھی کہ وزارت کی ذمہ داری اٹھانے کے بعد گھر جانے سے قبل آپ کی زیارت کروں ۔

۱۷ر جولائی ـــــ مولانا ابوالحسن ندوی کی آمد (جسکی تفصیل شامل الحق ہے)

دیگر واردین وصادرین ۲۰ر جولائی ـــــ جناب ارباب سکندر خان خلیل سابق گورنر سرحد اور میجر جنرل غلام جیلانی صاحب نے حضرت شیخ الحدیث صاحب سے ملاقات و عیادت کی کچھ دیر حضرت کے ساتھ رہے ۔

۴ر اگست ـــــ جناب ڈاکٹر بالے پوتا صاحب ڈائریکٹر اسلامی تحقیقاتی ادارہ اپنے رفقاء جناب محمود احمد غازی صاحب اور میجر محمد حامد صاحب کاکول سوات کے تعلیمی کانفرنس میں شرکت کیلئے جاتے ہوئے کچھ دیر دارالعلوم حقانیہ رکے بوجہ تعطیلات اور مولانا سمیع الحق صاحب کی عدم موجودگی کی وجہ سے مختصر قیام کے بعد تشریف لے گئے ۔

شاداب
جیسے گلاب
موسمِ گرما میں جب آگ برسنے لگتی ہے تو
دفتروں اور کارخانوں میں مرد، گھروں
میں عورتیں اور اسکولوں میں ننھے منّے بچے اپنے
کاموں سے تھک کر نڈھال ہو جاتے ہیں
ایسے میں وٹامنز سے بھرپور، خوش ذائقہ نورس کا
ایک گلاس کھوئی ہوئی توانائی واپس لاتا ہے۔
اور چہرے کو گلاب کی طرح شاداب کر دیتا ہے۔
پھلوں کے رس اور
پھولوں کے عرق کا مرکب
ہر قطرہ لذّت اور
فرحت سے بھرپور۔
نورس
مشروبِ وقت

نادرشیین

افکار و تاثرات

مکاتیب بخاریؒ و آزاد | مسلم اکادمی کے اشاعتی پروگرام میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا آزاد کے خطوط کی الگ الگ مجموعوں میں اشاعت شامل ہے غیر مطبوعہ مکاتیب رکھنے والے حضرات سے ایسے مکتوبات ارسال فرمانے کی اپیل ہے جنھیں ایک ہفتہ کے اندر اندر واپس کردیا جائیگا (مسلم اکادمی ۱۹/۵۹۱ وزیر پورہ سیالکوٹ)

دعائے مغفرت کی اپیل | میرے والد محترم الحاج مولانا محمد محراب شاہ صاحب فاضل مدرسہ عربیہ اندر کوٹ میرٹھ ۱۸ رجب ۹۵ھ کو بعمر اسی سال وفات فرماگئے۔ مرحوم اکابر کا نمونہ تھے، زندگی عبادت و مطالعہ میں گذری دعا کی اپیل ہے۔ (حافظ سید احمد شاہ صاحب خریداری نمبر ۳۹۴)

✱ — میرے والد ماجد حضرت مولانا عبدالعزیز عرف ... خان مرحوم ۱۳ رجب کو وفات ؛ پا گئے ... میرو وغیرہ میں ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۲۰ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت پائی اس کے بعد دارالعلوم نے ایک خاص جماعت کے ساتھ بھیجا واپسی پر آپ بنگال میں مدرس مقرر ہوئے شیخ الہندؒ کے تحریک کے سلسلہ میں افغانستان بھی رہے چالیس برس تک علوم و فنون پڑھاتے رہے کوہستان علاقوں کے اکثر علماء آپ کے شاگرد ہیں، آپ کے فرزندان میں چار جامعہ اشرفیہ کے فارغ التحصیل ہیں اور بالحمد اللہ دینی و علمی مشاغل میں مصروف ہیں

(محمد نعیم - ککر داشنگ - بگرام ہزارہ)

حافظ الپوری | الحق میں ڈاکٹر سعید اللہ قاضی صاحب کے مضمون "پشتو میں سیرت کی کتابیں" میں کی باتیں قابل تصحیح ہیں (۱) حافظ الپوری صاحب کا نام معظم خان نہیں بلکہ عبدالمعتد تھا۔ (۲) آپ نابینا نہ تھے بلکہ حافظ تخلص رکھتے تھے حافظ قرآن بھی تھے (۳) ان کی تاریخ ولادت و وفات غیر معلوم نہیں بلکہ ولادت ۱۱۲۸ھ میں اور وفات ۱۲۱۵ھ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۝

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

AL-HAQ

مطبوعات مؤتمر المصنّفین

دعوات حق
جلد اوّل

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے خطبات اور ارشادات کا عظیم الشان مجموعہ دین و شریعت

اخلاق و معاشرت، علم و عمل، عروج و زوال، نبوت و رسالت، شریعت و طریقت، ہر پہلو پر حاوی کتاب صفحات ۹۷۵، بہترین ڈائی دار جلد، قیمت -/۳۰ روپے

قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ

قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کے دینی و ملی مسائل پر قرار دادیں، مباحث، تقاریر اور قرار دادوں پر ارکان کا رد عمل، آئین کو اسلامی اور جمہوری بنانے کی جدوجہد کی مدلل اور مستند داستان، ایک سیاسی و آئینی دستاویز، ایک اعمالنامہ جس سے وکلاء، سیاستدان، علماء اور سیاسی جماعتیں بے نیاز نہیں ہو سکتیں، صفحات ۴۰۰، قیمت پندرہ روپے۔

عباداتِ عبدیت

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی تقاریر کا مجموعہ، بندگی اور اسکے آداب، عبادات کی حکمتیں اور اعمال صالحہ کی برکات، اللہ کی عظمت و محبوبیت اور دیگر موضوعات پر عمدہ کتاب۔ صفحات ۸۸، قیمت -/۳ روپے

مسئلہ خلافت و شہادت

مسئلہ خلافت و شہادت حسین، تعدیل صحابہؓ وغیرہ پر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی مبسوط تقریر مولانا سمیع الحق کی تعلیقات و حواشی کے ساتھ صفحات ۱۰۴ قیمت -/۳ روپے۔

اسلام اور عصر حاضر

از مولانا سمیع الحق مدیر الحق

عصر حاضر کے تمدنی، معاشی، اخلاقی، سیاسی، آئینی، تعلیمی اور معاشرتی مسائل میں اسلام کا موقف، عصر حاضر کے علمی و دینی فتنوں اور فرق باطلہ کا تعاقب، بیسویں صدی کے کارزار حق و باطل میں اسلام کی بالادستی کی ایک ایمان افروز جھلک، مغربی تہذیب کا تجزیہ، پیش لفظ از مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ، صفحات ۲۴۰، جلد سنہری ڈائی دار قیمت -/۲۰

قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق

از مولانا سمیع الحق مدیر الحق

تعمیر اخلاق، اصلاح معاشرہ، تطہیر نفس میں قرآن حکیم کا معتدلانہ انداز اور حکیمانہ طرز عمل، عبادات کا اخلاقی پہلو۔ قیمت -/۳ روپے۔

الحاوی علی مشکلات الطحاوی

شیخ الحدیث مولانا زکریا سہارنپوری
شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمان

کاملپوری اور مظاہر العلوم کے دیگر ممتاز محدثین کے مشترکہ غور و فکر کا نتیجہ طحاوی شریف کی تقریباً ایک سو مشکلات کا حل۔ قیمت بارہ روپے

ہدایۃ القاری شرح صحیح البخاری
عربی

از قلم حضرۃ مولانا محمد فرید صاحب مدرس و مفتی دارالعلوم حقانیہ،

بخاری شریف کی قدیم مبسوط شروح اور امالی اکابر سے زیر بحث مسئلہ پر مباحث کا خلاصہ، مختصر اور جامع شرح جلد اول صحیح بخاری کی کتاب العلم پر مشتمل ہے۔

برکۃ المغازی
عربی

از مولانا محمد حسن جان صاحب استاذ دارالعلوم حقانیہ۔ بخاری شریف کی کتاب الجہاد و المغازی اور حدیث وصیۃ زبیرؓ کے متعلق تحقیقی مباحث۔ قیمت چار روپے

اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتیں

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کی غیر مطبوعہ مبسوط تقریر۔ انسان کی حقیقی کامیابی کا معیار اللہ کی نظر میں کیا ہے۔ مرتبہ مولانا سمیع الحق قیمت ایک روپیہ۔

ارشادات حکیم الاسلام

از علامہ قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم حقانیہ میں معجزات انبیاء، دارالعلوم دیوبند کی روحانی عظمت اور مقام پر حضرت قاری صاحب مدظلہ کی حکیمانہ اور عارفانہ تقریریں۔ قیمت ۵۰/۱ روپیہ۔

مؤتمر المصنّفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور۔ پاکستان